ایمان کی چھاؤں میں

صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ

تالیف

سعید الرحمٰن

استاد ادارہ علوم اسلامیہ و عربی

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

بیکن بکس ○ گلگشت ملتان

نمازیں پڑھائیں۔ بعد ازیں ہجرت سے تین سال پیشتر آپ کو نمازوں میں بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم ہوا چونکہ آپ کا فطری میلان بیت اللہ ہی کی طرف تھا اسلئے آپ نماز میں بیت المقدس کی جانب اس انداز سے رخ کرتے کہ درمیان میں بیت اللہ ہوتا لیکن جب آپ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئے تو اب (جمع کرنے کی) ایسی صورت ممکن نہ رہی کیونکہ دونوں جہتیں بالمقابل ہو گئی تھیں لہذا آپ نے حکم خداوندی پر عمل کیا اس دوران آپ کا دلی تقاضہ یہی رہا کہ اللہ تعالی کی طرف سے بیت اللہ کی جانب رخ کرنے کا حکم ہوجائے کیونکہ آپ ملت ابراہیمی کے اصولوں کے احیاء واشاعت کے لئے بھی مبعوث ہوئے تھے۔

بالاخر سترہ ماہ کے بعد مدینہ منورہ میں بیت اللہ کی جانب دوران نماز متوجہ ہونے کا حکم آگیا اور واقعہ یہ ہوا کہ ایک صحابی کی رحلت و وفات پر آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ مکان مسجد نبوی سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں نماز ظہر کا وقت ہونے پر آپ نے اسی محلہ کی مسجد میں جسکو مسجد بنی سلمہ کہا جاتا ہے، نماز ظہر ادا کی، ابھی آپ تیسری رکعت کے رکوع میں گئے ہی تھے کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوگیا چنانچہ بقیہ نماز آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ادا کی، لہذا اس دن، اس مسجد میں نماز ظہر دو قبلوں کی جانب ہونے کی وجہ سے مسجد کا نام "مسجد ذو قبلتین" ہوگیا۔

الغرض امام بخاری "عند البیت" کے لفظ سے دو باتوں کی جانب اشارہ کر رہے ہیں ایک یہ کہ جب بیت اللہ میں ہوتے ہوئے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے ادا کی جانے والی نمازیں صحیح نہیں ہوئیں تو مدینہ منورہ میں آکر بیت المقدس کی جانب متوجہ ہو کر پڑھی جانے والی نمازیں بطریق اولی صحیح نہیں ہوئیں اور دوسری بات یہ ہے کہ بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم ہجرت سے قبل ہی مکہ مکرمہ میں ہوچکا تھا (۱۵۳)

حدثنا عمرو بن خالد قال: حدثنا زهير قال حدثنا ابواسحاق عن البراء ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اول ما قدم المدينة نزل علی اجداده او قال: اخواله من الانصار و

انه صلى قبل بيت المقدس ستة عشر شهرا او سبعة عشر شهرا و كان يعجبه ان تكون قبلته قبل البيت و انه صلى اول صلاة صلاها صلاة العصر و صلى معه قوم فخرج رجل ممن صلى معه فمر على اهل مسجد و هم راكعون فقال: اشهد بالله لقد صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل مكة فداروا كماهم قبل البيت و كانت اليهود قد اعجبهم اذ كان يصلى قبل بيت المقدس و اهل الكتاب فلما ولى وجهه قبل البيت انكروا ذلک قال زهير: حدثنا ابواسحاق عن البراء فى حديثه هذا انه مات على القبلة قبل ان تحول رجال و قتلوا فلم ندر ما نقول فيهم فأنزل الله تعالى و ماكان الله ليضيع ايمانكم.

ترجمہ: براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو اپنے ننہیال یا ممہیال میں اترے جو انصاری لوگوں میں تھے اور آپ سولہ یا سترہ مہینے تک (مدینہ میں) بیت المقدس کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھتے رہے اور آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا قبلہ، کعبہ کی طرف ہوجائے اور پہلی (مکمل) نماز جو آپ نے کعبے کی طرف پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ کے ساتھ اور لوگ بھی تھے ان میں ایک شخص جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا ایک مسجد والوں پر سے گزرا وہ رکوع میں تھے (بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے) اس شخص نے کہا میں اللہ کا نام لے کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے (ابھی) آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبے کی طرف نماز پڑھی یہ سنتے ہی وہ لوگ نماز ہی میں کعبے کی طرف پھر گئے اور جب آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے تو یہودی اور دوسرے کتاب والے (نصاری) خوش تھے جب آپ ﷺ نے اپنا منہ کعبے کی طرف پھیر لیا تو انہوں نے برا مانا۔ زہیر نے کہا ہم

Marfat.com

سے ابواسحاق نے بیان کیا انہوں نے براء سے اسی حدیث میں روایت کیا ہے کہ قبلہ بدل جانے سے پہلے کچھ لوگ مرگئے تھے جو (گذشتہ) قبلے ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے اور کچھ شہید ہوگئے تھے ہم نہ سمجھے کہ ان کے حق میں کیا کہیں (ان کو نماز کا ثواب ملا یا نہیں) تب اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری "اللہ ایسا نہیں ہے جو تمہارا ایمان اکارت کردے" (یعنی تمہاری نماز)

توضیح: حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب پہلی مرتبہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلا قیام اپنے ننہیال میں کیا (انصار کے قبیلے بنونجار کے خاندان میں آپ کے پردادا ہاشم کی شادی ہوئی نیز آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ کا تعلق بھی انصار سے تھا) اور آپ سولہ یا سترہ ماہ تک مدینہ میں بیت المقدس کی جانب متوجہ ہو کر نمازیں ادا کرتے رہے، یہاں روایت شک کے ساتھ ہے جبکہ صحیح مسلم میں سولہ ماہ کی روایت بغیر کسی شک کے مروی ہے، بعض علماء نے سولہ اور سترہ ماہ کی روایتوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ آپ کی مدینہ منورہ آمد ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی جبکہ اگلے سال ۱۵ رجب کو قبلہ کی تبدیلی کا حکم آیا تو کل سولہ ماہ تین دن ہوئے، اب اگر آپ کی کی آمد کے مہینہ اور تبدیلی قبلہ کے مہینہ کو ایک شمار کرلیا جائے تو سولہ ماہ اور علیحدہ علیحدہ شمار کئے جائیں تو سترہ ماہ ہوتے ہیں(۱۵۴)

اس دوران آپ کی دلی آرزو تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہوجائے، چنانچہ تحویل قبلہ کی شوق میں آپ کی نظریں بار بار آسمان کی طرف اٹھ اٹھ جاتی تھیں کہ شاید وحی آجائے(۱۵۵)۔

تحویل قبلہ کے بعد آپ نے پہلی نماز جو ادا کی تھی وہ نماز عصر تھی اور اس نماز میں کئی ایک صحابہ بھی آپ کے ساتھ شریک تھے، ان میں سے عباد بن بشر بن قیظی رضی اللہ عنہ کا بعد میں مسجد بنی حارثہ (یا مسجد قباء) سے گزر ہوا تو وہاں کے لوگ نماز عصر میں مصروف تھے، انہوں نے حلفیہ خبر دی کہ انہوں نے ابھی رسول اکرم ﷺ کی امامت میں بیت اللہ کے رخ نماز ادا کی ہے، یہ سنتے ہی وہ لوگ نماز کی حالت میں ہی

Marfat.com

بیت اللہ کی جانب گھوم گئے، گو اس میں عمل کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن اس امر کا امکان موجود ہے کہ اس وقت اس کی اجازت ہو جیسے گفتگو کی اجازت تھی، یہاں خبر واحد (ایک شخص کی خبر) سے ایک قطعی حکم (بیت المقدس کی سمت نماز کی ادائیگی کے حکم) کو اس بناء پر منسوخ مان لیا گیا کہ یہاں خبر واحد کے ساتھ قرائن بھی تھے یعنی صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تحویل قبلہ کا شدت سے انتظار و اشتیاق ہے(۱۵۶) علاوہ ازیں مسجد بنی حارثہ (یا مسجد قباء) میں نماز ادا کرنے والے حضرات کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی حکم کے منسوخ ہوجانے کے بعد ناسخ کے علم نہ ہونے تک اس پر عمل درست ہے، اسی بناء پر ان حضرات نے از سر نو نماز ادا نہیں کی۔

جب آپ بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے تو یہود و نصاری اس سے بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے اور نصاری کا قبلہ بیت اللحم ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے (بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے بیت اللحم کی طرف بھی رخ ہوتا ہے) جبکہ بنی اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ ہی رہا ہے اس بناء پر بھی آپ کا فطری میلان بیت اللہ کی جانب تھا۔

تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابہ کو اپنے ان دس گیارہ ساتھیوں کے بارے میں جن کی اس سے قبل طبعی وفات ہو گئی تھی یا انفرادی طور پر جام شہادت نوش کر گئے تھے (جیسے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وغیرہا) یہ خلجان ہوا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اسی نوعیت کا خلجان صحابہ کرام کو اس وقت بھی پیش آیا جب شراب کی حرمت کا فیصلہ نازل ہوا، یوں تو کئی ایک واقعات ہوئے جن میں کوئی حکم منسوخ ہوا اور اس پر انتقال کرنے والوں کا عمل تھا لیکن صحابہ کرام کو خلجان صرف مذکورہ بالا دو واقعات میں پیش آیا، شیخ الہند نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان دونوں واقعات میں حتمی طور پر پہلا حکم منسوخ ہونے سے قبل ہی قرائن و علامات سے صحابہ کرام کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ عنقریب نیا حکم آنے والا ہے اور اس کے باوجود وہ پرانی روش پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کا انتقال ہو گیا اور یوں انہیں ناسخ حکم پر عمل کرنے کی

نوبت ہی نہیں آئی، گو یہ بات بظاہر معمولی سی ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے منصب کے شایان شان اس کو محسوس کیا چنانچہ دونوں واقعات میں اطمینان قلب کے لئے آیات نازل ہوئیں (۱۵۷)

نماز در حقیقت اصلاح نفس کیلئے مجاہدہ کا نام ہے، کیونکہ جب صاحب ایمان اللہ تعالی کے سامنے اپنی حرکات و سکنات سے انتہائی عاجزی اور خشوع کا اظہار کرتا ہے تو اس سے طبیعت میں تواضع وانکساری کی صفت پیدا ہوتی ہے جس سے کئی اخلاقی مفاسد کا انسداد ہوجاتا ہے، جبکہ اس کے برعکس تکبر اور اپنی بڑائی جتانے یا اپنے تئیں اپنے آپکو بالاتر سمجھنے کے رویہ سے معاشرے میں بدامنی کو راہ ملتی ہے، اسی کے نتیجہ میں بیہودہ گوئی، ریاکاری، غیبت، حسد، فریب دہی اور خونریزی جیسے جرائم فروغ پاتے ہیں، حب جاہ کے نتیجہ میں پنپنے والے ان عیوب کو "منکر" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی طرح تکبر اور دوسروں کو کمتر سمجھنے کے رویہ سے حرص و ہوس کو راہ ملتی ہے اور اسی کے نتیجہ میں لوٹ مار، رشوت، لالچ، بدکاری اور سرمایہ پرستی جیسے جرائم پنپنے لگتے ہیں، جن کو "فحش" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور نماز کی خاصیت منکر و فحش سے روکنا ہے، الغرض نماز کے عمل میں انسانی نفس کی اصلاح کا تیر بہدف نسخہ موجود ہے، لیکن ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اس عبادت کو اپنی ریاکاری کے ذریعہ نفسانی خواہشات کا ذریعہ بنالیتے ہیں، ایسے لوگ "ویل" (تباہی و بربادی) کے لائق ہیں۔ در حقیقت ایسے افراد کے دلوں میں اللہ تعالی کی عظمت کی جگہ اپنے نفس کی بڑائی نے جڑیں قائم کی ہوئی ہوتی ہیں۔

نماز کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے ہر ہر کلمہ سے اللہ تعالی کی عظمت، اسکے مرتبہ کی بلندی، اس کی حمد و ثناء اس کی تقدیس و تمجید اور اس کی ہمہ قسم کی بزرگیوں کا اظہار ہوتا ہے، اور ان امور کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا جائے تو یقیناً عظمت خداوندی دل کے رگ و ریشہ میں پیوست ہوگی اور اس کے نتیجہ میں نفس کی بے وقعتی پیدا ہوگی جس سے حق کے آگے جھکنے (تواضع) کی صفت کو جلاء ملے گی اور یوں قناعت، سیر چشمی، انسانی جان و مال کے تحفظ، حق گوئی، باہمی محبت، انسانوں کی

Marfat.com

خیر خواہی، ایثار، حقوق کی ادائیگی، انسانی آبرو کی حفاظت اور دانشمندی و شعور کے رویوں کی آبیاری ہوگی۔

نماز اصلاح نفس کے علاوہ اجتماعیت کے قیام کا بھی ذریعہ ہے، وہ مسجد کے فرش پر اجتماعیت کی تعلیم دیکر تمام روئے زمین پر جو امت کیلئے مسجد عمومی کی حیثیت رکھتی ہے، اجتماعیت کی جانب متوجہ کردیتی ہے اور یوں نماز کی خلافت صغری سے خلافت کبری کا دروازہ کھل جاتا ہے، اگر نماز میں یہ اجتماعی شان نہ ہوتی اور وہ عبادت خداوندی میں مصروف کرکے انسان کو انسانی حقوق کے قیام سے لاتعلق کردیتی تو شاید وہ اسلامی عبادت ہی نہ کہلاتی کیونکہ اس کا نتیجہ وہی ربہانیت اور مردم بیزاری نکلتا ہے جسے ختم کرنے اور اس کی جگہ عبادت و ہدایت تک میں اجتماعیت پیدا کرنے کیلئے اسلام دنیا میں آیا تھا۔

سب سے پہلے انسان کو خانگی خلوت سے نکال کر اسے مساجد تک سفر کرایا گیا تاکہ وسعت ظرف اور وسعت نظر پیدا ہو چنانچہ ہفتہ بھر محلہ کی مسجد، ہفتہ میں ایک روز شہر کی جامع مسجد، سال بھر میں دو مرتبہ شہر سے باہر نکل کر عید گاہ اور عمر بھر میں ایک مرتبہ گھر، محلہ، شہر، ملک حتی کہ بسااوقات براعظم چھوڑ کر مسجد حرام تک جانے کا تدریجی عمل اختیار کیا گیا، پھر مسجد تک ہی پہنچانے پر کتفاء نہیں کیا گیا بلکہ نماز باجماعت کی جانب پیش قدمی کی گئی اور اسکو سنت ہدایت قرار دیا گیا جبکہ اس کے ترک کرنے کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا، اسی جماعت میں ایک امام کی اقتداء میں جمع کرکے انہیں مرکزیت پیدا کردی گئی پھر صفوں کی یکسانیت کے ذریعہ مساوات پیدا کردی گئی، اس کے علاوہ اس میں شیطانی مکر و فریب کے خلاف جہاد کا عمل موجود ہے اور اگر اس سے نمازی کی طبیعت جہاد حسی (قتال و جنگ) کی طرف منتقل ہوجائے اور وہ اس کی ترتیب و تشکیل پر غور کرنے لگے تو قطعاً کوئی نامناسب امر نہیں کیونکہ نماز اور جہاد کے عمل میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنگ سے متعلقہ ضروری امور نماز میں سوچ لیتا ہوں۔

الغرض نماز ایک طرف تو اللہ تعالی سے ملاتی ہے تو دوسری طرف انسانوں سے

رابطہ قائم کراتی ہے، ایک طرف انفرادیت اور یکسوئی سکھاتی ہے تو دوسری طرف اجتماعیت کی جانب راہنمائی کرتی ہے، ایک طرف سلامتی کی تعلیم دیتی ہے تو دوسری طرف جنگ کی تربیت دیتی ہے، ایک طرف اصلاح نفس کرتی ہے تو دوسری طرف اجتماعی نظام کا پابند اور نظم وضبط قائم کراتی ہے (نماز میں جمعیت، جامعیت اور اجتماعیت کے پہلوؤں سے مزید واقفیت کیلئے مولانا قاری محمد طیب کی حکیمانہ تصنیف "فلسفۂ نماز" کا مطالعہ کیجئے)

انسان کے اسلام کی خوبی

باب حسن اسلام المرء

قال مالک اخبرنی زید بن اسلم ان عطاء بن یسار اخبره ان اباسعید الخدری اخبره انه سمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول (اذا أسلم العبد فحسن اسلامه یکفر اللّٰه عنه کل سیئة کان زلفها و کان بعد ذلک القصاص الحسنة بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف و السیئة بمثلها الا ان یتجاوز اللّٰه عنها.

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے جب کوئی بندہ مسلمان ہوجائے پس اچھی طرح مسلمان ہو تو اللہ اس سے ہر وہ گناہ اتار دے گا جو وہ (اسلام سے پہلے) کرچکا تھا اور اس کے بعد حساب شروع ہوگا ایک نیکی کے بدلے ویسی دس نیکیاں سات سو نیکیوں تک (لکھی جائیں گی) اور برائی کے بدل ویسی ہی ایک برائی (لکھی جائے گی) سوائے اس کہ اللہ اس کو معاف کردے۔

Marfat.com

توضیح: یہاں امام بخاری دو قسم کے نظریات کی تردید کر رہے ہیں، پہلے حصہ میں ایمان میں کمی و بیشی کے منکرین مثلاً مرجئہ کی تردید ہے کہ حسن، اسلام کا وصف ہے اور حسن میں چونکہ مراتب ہوتے ہیں لہذا اسلام میں بھی درجات ہوں گے، پھر جب ان کا اختیار کرنا وجہ حسن ہے تو ان کا ترک کرنا موجب نقصان ہوگا جبکہ دوسرے حصہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ برائی و بدی جتنی عمل میں آتی ہے اسی کے بقدر لکھی جاتی ہے، لیکن اس سے کوئی گنہگار، اسلام سے خارج نہیں ہوتا، گویا خارجی و اعتزالی موقف مسترد قرار پایا۔

یہاں علماء دین میں ایک اختلاف رائے ہے(۱۵۸) کہ جمہور علماء کے ہاں اسلام قبول کرلینے سے زمانہ کفر کی تمام برائیاں اور گناہ بغیر کسی استثناء کے معاف ہوجاتے ہیں اور پھر از سر نو حساب و کتاب شروع ہوتا ہے جس میں برابر کے بدلہ اور مساوات کا قانون جاری ہوتا ہے، امام احمد بن حنبل کا موقف یہ ہے کہ اگر نو مسلم نے اسلام قبول کرلینے کے بعد دور کفر کے گناہوں کا اعادہ نہیں کیا تو اس صورت میں سابقہ گناہ معاف ہوجائیں گے اور اگر ان کا اعادہ کیا تو گزشتہ گناہوں کی پرسش ہوگی۔

جمہور کا استدلال اس ارشاد ربانی سے ہے کہ "کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے"(۱۵۹) اور حدیث الباب سے بھی ان کا استدلال ہے تاہم یہ حضرات اس امر پر متفق ہیں کہ اگر نو مسلم نے قبول اسلام کے بعد بھی حسب سابق گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کیا تو گو سزا صرف انہی اعمال پر ہوگی جن کا ارتکاب حالت اسلام میں ہوا لیکن سزا کی کیفیت میں ایسی شدت ہوگی کہ محسوس ہوگا کہ جاہلیت کے گناہوں کی سزا بھی دی جارہی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص سچے دل سے اسلام قبول کرتا ہے اسکو گزشتہ گناہوں کی سزا نہیں دیجائے گی اور جو قبول اسلام کے بعد بھی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا جاہلیت اور اسلام کے دونوں ادوار کے اعمال پر مواخذہ کیا جائے گا(۱۶۰) کیونکہ ایسے شخص کے عمل سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ شاید اس نے

Marfat.com

نئے سرے سے گناہ کرنے کے لئے اسلام بطور آڑ قبول کیا ہے لہذا اس کے اس خیال کے علی الرغم اسپر گرفت کی جائے گی۔

زیر نظر حدیث کی ایک روایت میں یہ جملہ بھی مذکور ہے کہ نومسلم کے اعمالنامہ میں اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے اچھے اعمال بھی لکھے جائیں گے یعنی زمانہ قبل از اسلام کی تمام برائیاں تو معاف ہوجائیں گی تاہم اس زمانہ کی بھلائیاں نے اعمالنامہ کا حصہ بن جائیں گی۔ جو اس کے حق میں سودمند ثابت ہوں گی، دراصل نیکی کسی بھی شکل میں کسی بھی جانب سے ظہور پذیر ہو اپنا اثر رکھتی ہے، لہذا کافر کی نیکیاں بھی ضائع نہیں جاتیں، اس دنیا میں بھی ان کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں مثلاً مال و دولت، اولاد اور آرام و آسائش کا مہیا ہونا، یعنی مادی ترقیات کی صورت میں وہ اعمال بار آور ہوتے ہیں، اسی طرح آخرت میں نیکیوں کا نتیجہ عذاب آخرت کی تخفیف کی صورت میں رونما ہوگا جیسا کہ حضرت ابوطالب کو رسول اکرم ﷺ سے انتہائی ذاتی محبت اور عملی حمایت کی وجہ سے معمولی عملی سرزنش کی جائے گی، یہ بات اللہ تعالی کے عدل و انصاف کے منافی ہے کہ ہر قسم کے کافر کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے خواہ اس نے دنیا میں عدل قائم کیا یا ظلم و ستم ڈھایا(۱۶۱)

حدثنا اسحاق بن منصور قال: حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن همام عن أبی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (اذا احسن احدكم اسلامه فكل حسنة يعملها تكتب له بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف و كل سيئة يعملها تكتب له بمثلها)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اچھی طرح مسلمان ہو تو اس کے بعد جو نیکی کرے گا وہ دس گنے سے سات سو گنے تک لکھی جائے گی اور جو برائی کرے گا وہ ویسی ہی ایک لکھی جائے گی۔

Marfat.com

پسندیدہ ترین عمل
باب احب الدین الی اللہ ادومہ

گزشتہ ابواب میں جس طرح مراتب حسن اور مدارج یسر (آسانی کی منزلوں) کے اعتبار سے دین (امام بخاری کے ہاں دین اور ایمان ہم معنی ہیں) میں کمی و بیشی کی جانب اشارہ تھا، اب احب (زیادہ پسندیدہ) اور غیر احب (کم پسندیدہ) ہونے کے حوالے سے دین میں کمی و بیشی کا ذکر ہے، علاوہ ازیں گزشتہ باب میں حسن اسلام کے عمل سے متعلق ہونے کا تذکرہ تھا جبکہ اس باب میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اعمال پر مداومت اور ہمیشگی سے ہی حسن اسلام وابستہ ہے اگرچہ مقدار کے حوالے سے اعمال کم ہوں۔

حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحیی عن هشام قال اخبرنی ابی عن عائشة (ان النبی صلی اللہ علیه وسلم دخل علیها و عندها امرأة قال: من هذه؟ قالت: فلانة تذکر من صلاتها قال: مه، علیکم بما تطیقون فواللہ لایمل اللہ حتی تملوا و کان احب الدین الیه مادام علیه صاحبه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لائے وہاں ایک عورت (بیٹھی) تھی آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا فلاں عورت ہے اور اس کی نماز کا حال بیان کرنے لگیں آپ نے فرمایا بس بس، وہ کام کرو جو (ہمیشہ) کرسکتے ہو کیونکہ قسم خدا کی اللہ تو (ثواب دینے سے) تھکے گا نہیں تم ہی تھک جاؤ گے اور اللہ تعالی کو وہ عمل بہت پسند ہے جس کا کرنے والا اس کو ہمیشہ کرے۔

توضیح: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم

Marfat.com

ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے اور اس وقت ایک عورت بھی ان کے پاس بیٹھی تھی جس کا نام خولاء بنت تُوَیت تھا، حضرت عائشہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ وہ خاتون ہیں جو کثرت سے نمازیں ادا کرتی ہیں یا یوں کہا کہ ان کی نمازوں کا لوگوں میں چرچا ہے، یہ سن کر آپ نے فرمایا رک جاؤ، اگر آپ کا یہ ارشاد حضرت عائشہ سے تھا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ منہ پر تعریف رہنے دو اور اگر خولاء کو مخاطب کیا تو مقصد یہ ہے کہ اس طرح عبادت میں خلومت کرو بلکہ اتنی عبادت کرو جسے ہمیشہ نبھا سکو۔

بعد ازیں آپ نے ارشاد فرمایا بخدا اللہ تو اجر و ثواب عطا کرنے سے نہیں رکے گا تم ہی عبادت کرنے سے اکتا جاؤ گے۔ حدیث میں "ملال" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی عمل کو اہتمام سے شروع کرنے کے بعد اکتاہٹ، ناپسندیدگی اور تنگ دلی کے باعث ترک کر دینا، چونکہ ملال کا نتیجہ کسی کام کو ترک کرنے اور چھوڑنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس لئے ان معنوں میں ہی ملال کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے (۱۶۲) علاوہ ازیں یہاں علم بلاغت کی "صنعت مشاکلت" بھی ہے کہ "ملال" کی نسبت لوگوں کی طرف تھی لہذا جواب میں اسی لفظ کی اضافت اللہ تعالی کی طرف کی گئی، گو مفہوم مختلف ہے جیسے قرآن حکیم میں ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے حالانکہ بدلہ بذات خود برائی نہیں ہے، نیز قرآن حکیم ہی میں منافقین کے اس قول پر کہ ہم تو مسلمانوں سے استہزاء کرتے ہیں (یعنی ان کا مذاق اڑاتے ہیں) کے جواب میں ارشاد ہے کہ اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے (یعنی انہیں ان کے اس عمل استہزاء کا بدلہ دے گا) (۱۶۳)

آخر میں آپ نے اس عمل خیر کو اللہ تعالی کا محبوب اور پسندیدہ قرار دیا جس میں تسلسل اور مداومت ہو کہ اس سے درحقیقت اللہ سے تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور خودغرضی کی نوعیت بھی نہیں رہتی، الغرض آپ نے عبادت میں غلو اور انتہاء پسندی کو ناپسند کیا ہے کیونکہ اس کا آخری انجام یہی ہوتا ہے کہ انسان بعد میں رد عمل کے طور پر دوسری طرف کی انتہاء پسندی یعنی بالکل عمل ترک کرنے کو اختیار کر لیتا ہے اس لئے زندگی میں سوچ و عمل کے اعتبار سے توازن اور اعتدال نہایت ضروری قرار پاتا

Marfat.com

ہے اور یہی تقاضائے فطرت ہے۔

ایمان میں کمی بیشی
باب زیادۃ الایمان و نقصانہ

گو امام بخاری نے "باب بنی الاسلام علی خمس" کے ذیل میں ایمان میں کمی و بیشی کا قول ذکر کیا تھا لیکن وہاں چونکہ اس مسئلہ کی تحقیق مقصود نہیں تھی اس لئے یہاں مستقل باب ذکر کر رہے ہیں تاکہ متعلقہ حدیث کے ذریعہ اپنا موقف واضح کر سکیں۔

اگرچہ امام بخاری کے ہاں ایمان و اسلام ہم معنی ہیں تاہم "باب بنی الاسلام علی خمس" میں زیادتی و کمی کی نسبت اسلام کی جانب تھی اور یہاں زیادۃ و نقصان کی نسبت ایمان کی طرف ہے۔

مزید برآں گزشتہ باب سے جس میں ان اعمال کے زیادہ پسندیدہ (احب) ہونے کا ذکر تھا جن پر مداومت کی جائے، باب ہذا کی مناسبت یہ ہے کہ اعمال خیر پر مداومت کرنے سے ایمان میں ترقی اور بڑھوتری ہوتی ہے اور اس میں کوتاہی سے ایمان میں کمی اور نقص آجاتا ہے۔

و قول اللّٰہ تعالی و زدناھم ھدی و یزداد الذین آمنوا ایمانا و قال الیوم اکملت لکم دینکم فاذا ترک شیئا من الکمال فھو ناقص.

(اور اللہ نے (سورہ کہف میں) فرمایا ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور (سورۂ مدثر میں) ایمانداروں کا ایمان اور بڑھے اور (سورۂ مائدہ میں) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کیا اور (قاعدہ ہے) پورے میں سے کوئی کچھ چھوڑ دے تو وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔)

امام بخاری نے ایمان میں کمی بیشی ثابت کرنے کے لئے تین آیات ذکر کی ہیں

Marfat.com

جن میں سے دو کتاب الایمان کے آغاز میں بھی مذکور ہوئیں، اور ان سے استدلال کی نوعیت وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جبکہ تیسری آیت (سورۂ مائدہ آیت نمبر ۳) سے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اللہ تعالی نے آج (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ) انسانیت کے لئے دین کو کامل و مکمل کردیا، ان پر اپنی نعمت تمام کردی اور اسلام کو ان کے لئے بطور دین پسند کرلیا" امام بخاری کا استدلال یوں ہے کہ قاعدے اور ضابطے کی بات ہے کہ جب کامل اور پوری چیز میں سے کچھ چھوڑ دیا جائے تو وہ ادھوری اور نامکمل ہوتی ہے، جبکہ آیت سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے دین مکمل نہیں ہوا تھا لہذا دین میں کمی و بیشی ثابت ہوگئی، لیکن اس سے یہ اخذ کرنا درست نہیں کہ ابتداء اسلام میں جن اصحاب کا انتقال ہوگیا تھا وہ دینداری کے حوالے سے ناقص تھے کیونکہ اس وقت جن احکام کے وہ مخاطب اور مکلف تھے، ان پر وہ مکمل طور پر عمل پیرا تھے اور اس وقت جس قدر دین موجود تھا انہوں نے اس میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا تھا۔

آیت بالا میں اکمال دین کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ دین کے تمام اصولی احکام کو مکمل کردیا گیا، اب نہ اس میں کسی اضافہ کی گنجائش باقی ہے نہ منسوخ ہو کر کمی کا احتمال ہے، کیونکہ اس کے بعد ہی متصلا سلسلۂ وحی رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے ساتھ منقطع ہونے والا تھا اور بغیر وحی الہی کے قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا اور اصول اجتہاد کے تحت بظاہر احکام کا جو اضافہ فقہاء و مجتہدین کی طرف سے ہوا ہے وہ در حقیقت اضافہ نہیں بلکہ احکام قرآنی کی توضیح و تشریح اور معروضی تعبیر ہے۔

اور اتمام نعمت سے مراد مسلمانوں کا بین الاقوامی غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے جس کا آغاز مکہ مکرمہ کی فتح اور رسوم جاہلیت کے مٹانے سے اور اُس سال حج میں کسی مشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعے ہوا (۱۶۴)

حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا هشام قال حدثنا قتادة عن انس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (يخرج من النار من قال: لا اله الا الله و فى قلبه وزن شعيرة من خير، و يخرج

Marfat.com

من النار من قال لا اله الا الله و فی قلبه وزن برة من خیر و یخرج من النار من قال: لا اله الا الله و فی قلبه وزن ذرة من خیر) قال ابوعبدالله قال أبان حدثنا قتادة حدثنا انس عن النبی صلی الله علیه وسلم (من ایمان) مکان (من خیر)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جَو برابر بھلائی (ایمان) ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گیہوں کے برابر بھلائی ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرے برابر بھلائی ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا امام بخاری نے کہا ابان نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا ہم سے قتادہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے انس نے بیان کیا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے، اس روایت میں من خیر کی جگہ من ایمان ہے۔

فائدہ: امام بخاری نے یہاں ایک متابع (۱۶۵) پیش کیا ہے کہ ابان نے قتادہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے جس میں "من خیر" کی جگہ "من ایمان" کا لفظ مذکور ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہاں خیر سے مراد عمل نہیں، ایمان ہے، علاوہ ازیں چونکہ قتادہ مدلس ہیں (۱۶۶) کہ اگر شیخ (استاد) سے سماع حدیث کی صراحت نہ ہو تو ان کا "عنعنہ" قبول نہیں ہوگا جبکہ یہ روایت "معنعن" ہے (۱۶۷) لہذا ابان کا متابع ذکر کرکے سماع حدیث کی تصریح کردی لیکن اس کی روایت باب میں ذکر نہیں کی کیونکہ ہشام کا مقام ثقاہت ابان سے بہت بلند ہے (۱۶۸)

امام بخاری نے یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور "باب تفاضل اھل الایمان" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے گو دونوں کا مضمون کم و بیش ایک ہے لیکن امام بخاری نے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں پھر بظاہر ہونا یہ چاہیے کہ باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال میں حضرت انس رضی کی حدیث

Marfat.com

ذکر کی جاتی کہ اسمیں خیر کا لفظ ہے، جس کا اطلاق عمل پر ہوتا ہے اور باب زیادۃ الایمان و نقصانہ میں حضرت خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس میں ایمان کا لفظ مذکور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے دونوں حدیثوں کے تفصیلی طرق ہیں جن کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصدیق قلبی سے بحث نہیں بلکہ اس میں اعمال کے فوق مراتب کی گفتگو ہے چنانچہ صحیح مسلم میں آمدہ اس حدیث کے تفصیلی طرق میں صلاۃ، صوم اور عمل وغیرہ جیسے الفاظ موجود ہیں جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے تفصیلی طریق سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس میں اعمال میں کمی و بیشی کی بجائے نفس ایمان میں تفاضل کا مضمون ہے، اس سے امام بخاری کی وسعت نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں انہوں نے ہر دو جگہ متابع روایات ذکر کرکے احادیث کے مفہوم کی بھی وضاحت کردی ہے(۱۶۹)

حدثنا الحسن بن الصباح سمع جعفر بن عون حدثنا ابو العميس اخبرنا قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن عمر بن الخطاب ان رجلا من اليهود قال له يا امير المؤمنين اية فى كتابكم تقرؤنها لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلک اليوم عيدا، قال: اى آية؟ قال: اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتى و رضيت لكم الاسلام دينا قال عمر: قد عرفنا ذلک اليوم و المكان الذى نزلت فيه على النبى صلى الله عليه وسلم و هو قائم بعرفة يوم جمعة)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک یہودی ان سے کہنے لگا اے امیر المؤمنین تمہاری کتاب (قرآن) میں ایک آیت ہے جس کو تم پڑھتے رہتے ہو اگر وہ آیت ہم یہود لوگوں پر اترتی تو ہم اس دن کو (جس دن وہ آیت اترتی) عید کا دن مقرر کرلیتے حضرت عمرؓ نے کہا وہ کونسی آیت ہے یہودی نے کہا یہ آیت "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کیا اور اپنا احسان تم پر تمام کردیا اور اسلام کا دین تمہارے لئے پسند کیا" حضرت عمرؓ نے کہا ہم اس دن کو

Marfat.com

جانتے ہیں اور اس جگہ کو بھی جس میں یہ آیت آنحضرت ﷺ پر (اتری ہے) یہ آیت آپ ﷺ پر جمعہ کے دن اتری جب آپ ﷺ عرفات میں کھڑے تھے۔

توضیح: خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہود کے ایک ممتاز عالم کعب احبار نے کہا کہ آپ کی کتاب یعنی قرآن حکیم میں ایک ایسی آیت ہے جس کی آپ تلاوت کرتے ہیں لیکن آپ کو اس کی قدر نہیں اور اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے نازل ہونے والے دن میں عید منایا کرتے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے دریافت کیا کہ کونسی آیت ہے؟ جواب میں الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی آیت بتائی گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اس آیت کے نزول کی جگہ، دن اور ساعت سب معلوم ہے، یہ آیت ۱۰ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر عرفہ کے روز (۹ ذی الحجہ) جمعہ کے دن بوقت عصر نازل ہوئی جبکہ میدان عرفات میں رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زیادہ صحابہ کا مجمع کثیر تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ یہاں اللہ تعالی نے خود عید مقرر کردی کہ عید کے دن اس آیت کو نازل کیا کہ جمعہ کا دن، ہفتہ کی عید ہے اور یوم عرفہ سال کی عید ہے کہ ایک مسلمانوں کی عید ہے تو دوسرا اہل اسلام کے لئے سب سے بڑا خوشی کا دن اور یہ یادگار تا قیامت رہے گی۔ الغرض ہماری عید رسمی یا وقتی اور ہنگامی نہیں بلکہ حقیقی اور دائمی ہے اور پھر خودساختہ نہیں بلکہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ ہے اسی بناء پر تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے اور اگر عید کا دن انسان ساختہ ہوتا تو چونکہ ہر قوم اپنی تہذیبی روایات کے مطابق خوشی کا دن اور اس میں انجام دی جانے والی رسوم مقرر کرتی ہے، اس لئے ملت اسلامیہ میں خوشی کا دن مقرر کرنے پر اتفاق رائے نہ ہوتا اور یوں اجتماعیت، گروہیت میں بدل جاتی۔

زکوۃ

باب الزکاۃ من الاسلام

و قوله و ماامروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء و يقيموا الصلاة و يؤتوا الزكوة و ذلک دين القيمة (۱۷۰)

(اللہ تعالی نے (سورۂ بینہ میں) فرمایا حالانکہ ان کافروں کو یہی حکم دیا گیا کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کی نیت سے یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی پکا دین ہے۔)

امام بخاری ایمان کی کمی و بیشی کے سلسلے میں بدن سے متعلقہ نیکی (جیسے نماز) ذکر کرنے کے بعد اب مال سے متعلقہ اعمال (جیسے زکوۃ) کا ذکر کر رہے ہیں، یہاں انہوں نے جس آیت کو اپنے مقصد کے لئے پیش کیا ہے اسمیں اگرچہ نماز و زکوۃ دونوں کا ذکر ہے مگر یہاں ترجمہ (عنوان) میں صرف زکوۃ کا ذکر ہے کہ آیت کے دیگر اجزاء کے بارے میں امام صاحب پہلے ہی تراجم (عنوانات) قائم کر چکے ہیں، زکوۃ کے دین قیم میں داخل ہونے کی صراحت سے اس "ارجائی" نظریئے کی تردید ہوجاتی ہے کہ اعمال خیر کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

حدثنا اسماعيل قال حدثنى مالک بن انس عن عمة ابى سهيل بن مالک عن ابيه انه سمع طلحة بن عبيدالله يقول (جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد ثائر الرأس يسمع دوى صوته و لايفقه مايقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الاسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس صلوات فى اليوم و الليلة، فقال هل على غيرها؟ قال: لا الا ان تطوع، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : صيام

Marfat.com

رمضان، قال: هل علی غیره؟ قال: لا الا ان تطوع قال: و ذکر له رسول الله صلی الله علیه وسلم الزکاة قال: هل علی غیرها؟ قال: لا الا ان تطوع قال: فأدبر الرجل و هو یقول و الله لاأزید علی هذا و لا انقص قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: افلح ان صدق)

ترجمہ: طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے نجد والوں میں سے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا سر پریشان یعنی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے ہم بھن بھن اس کی آواز سنتے تھے اور اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی یہاں تک کہ وہ نزدیک آن پہنچا جب معلوم ہوا کہ وہ اسلام کی بابت پوچھ رہا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسلام دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنا ہے اس نے کہا بس اسکے سوا تو اور کوئی نماز مجھ پر نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ تو نفل پڑھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور رمضان کے روزے رکھنا اس نے کہا اور تو کوئی روزہ مجھ پر نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ تو نفل رکھے (تو اور بات ہے) طلحہ نے کہا اور آنحضرت ﷺ نے اس سے زکوۃ کا بیان کیا وہ کہنے لگا بس اور تو کوئی صدقہ مجھ پر نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ نفل صدقہ دے راوی نے کہا پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا یوں کہتا جاتا تھا قسم خدا کی میں نہ اس سے بڑھاؤں گا نہ گھٹاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

توضیح: سرزمین عرب کے بلند حصے کو "نجد" نشیبی حصے کو "تہامہ" اور وسطی حصہ کو "حجاز" کہا جاتا ہے نجد کے باشندوں میں سے ایک شخص رسول اکرم ﷺ کے پاس اس حالت میں آیا کہ سفر کی وجہ سے اس کے بال پریشان و پراگندہ تھے اور وہ گنگنا رہا تھا، دور سے اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی گنگنانے کی غالباً وجہ یہ تھی کہ وہ چونکہ اپنی قوم کی نمائندگی کر رہا تھا، اس لئے ذمہ داری کے احساس کے تحت وہ آپ سے

دریافت کرنے کے لئے سوالات دہرا رہا تھا تاکہ گفتگو کے وقت کوئی لغزش نہ ہو، اچانک یعنی اپنی ظاہری حالت کے برعکس غیر متوقع طور پر اسلامی اعمال کے متعلق دریافت کرنے لگا جو اس کی عقلمندی کا ثبوت تھا چنانچہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ ایسا سمجھدار اعرابی ہم نے بھی نہیں دیکھا(۱۷۱) سوال کے جواب میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہے، اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ اس کے علاوہ بھی میرے ذمہ کچھ ہے، آپ نے ارشاد فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ نفل ادا کرو، جہاں تک وتر اور سنت مؤکدہ کی نمازوں کا تعلق ہے تو چونکہ وہ فرائض کو مکمل کرنے والی ہیں اس لئے ضمنی حیثیت میں پانچ وقتہ نمازوں میں داخل ہیں، اسی طرح اس نے زکوۃ اور روزوں سے متعلق سوال کئے، واضح رہے کہ صدقہ فطر تبعاً زکوۃ میں داخل ہے۔

آپ سے گفتگو کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ میں اس سے زیادہ کروں گا نہ کم اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ سچ کہہ رہا ہے تو کامیاب ہو گیا، دوسری روایت میں دخول جنت کا ذکر ہے، گویا کامیابی کا مفہوم متعین ہو گیا(۱۷۲)

یہاں ایک اہم ضابطہ معلوم ہوا جو کئی معاشی و معاشرتی امور میں بھی مفید ثابت ہوسکتا ہے کہ کسی کار خیر کے نہ کرنے پر قسم اٹھانا جائز ہے بشرطیکہ اس کے ترک کرنے کا مقصد سنت سے بے اعتنائی اور لاپرواہی نہ ہو۔

زکوۃ کی عبادت اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ دنیا میں تمام موجود اشیاء کی حقیقی ملکیت اللہ تعالی کے پاس ہے جس نے ان کو تخلیق کیا ہے، جبکہ اسکے خلیفہ کے طور پر اولاد آدم کا ان میں عمل دخل ہے، یوں دنیوی نقطۂ نظر سے وہ ان اشیاء کے مالک تصور کئے جاتے ہیں، کیونکہ ان اشیاء کی تخلیق سے مقصد ان کی ضروریات کی ہی تکمیل ہے اس لئے کوئی چیز بذات خود کسی فرد واحد یا کسی گروہ کی مخصوص ملکیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز تمام انسانیت میں مشترک اور سب کی اس میں ایک لحاظ سے ملکیت ہے، تاہم کسی چیز پر مستقل اور مکمل قبضہ ہے تو دوسرے شخص کو اس میں دست درازی کی اجازت نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مال و دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ

Marfat.com

ہوتی رہے، کیونکہ اسلام اس امر کو قطعاً گوارا نہیں کرتا کہ مال و دولت معاشرے میں گردش کرنے کی بجائے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور معاشرہ مفلوک الحال ہوجائے اسی کو سرمایہ داری کہتے ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے حرام اور باطل اور سماجی نقطۂ نظر سے تباہ کئے جانے کے قابل ہے(۱۷۳) اس ضمن میں قرآن حکیم کی واضح تنبیہ ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرکے رکھتے ہیں اور اسکو اللہ کی راہ میں نہیں خرچ کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے، جس دن اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا پس اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو(۱۷۴)

اسی سرمایہ داری کے انسداد کیلئے اسلام نے قانون انفاق مقرر کیا ہے، جس کا ایک درجہ مکہ مکرمہ میں تھا، جسکو قرآن حکیم کی اصطلاح میں "عفو" سے تعبیر کیا گیا کہ ضرورت سے زائد مال خرچ کردیا جائے، رسول اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تھے اور وہاں ایک اجتماعی حکومت (بصورت جماعت) قائم تھی تو اس حکومت نے مسلمانوں کو انفاق کے معاملے میں خود ان کی صوابدید پر چھوڑ کر اپنا نائب بنالیا تھا چنانچہ معاشرے کی مالی ضرورت کے مطابق انہیں حکم تھا کہ وہ ضرورت سے زائد مال اہل ضرورت میں خرچ کردیں کیونکہ اس وقت نہ تو بیت المال کی کوئی صورت تھی اور نہ ہی مال غنیمت جیسے دیگر ذرائع آمدن تھے۔ ہجرت کے بعد صورتحال تبدیل ہوگئی اور مکہ مکرمہ کی بنسبت خوشحالی آگئی اور مال غنیمت آنے لگا تو پھر زکوۃ میں از روئے حدیث ڈھائی فیصد حصے کا تعین ہوا(۱۷۵) تو گویا زکوۃ ایک خاص قانون کے تحت راہ خدا میں خرچ کرنے کا نام ہے جس سے معاشرے کی بہتری اور سماجی مقاصد وابستہ ہیں۔

قانون زکوۃ ایک ایسا لازمی قانون ہے جس پر معاشرے کی اجتماعی خوشحالی کے باوجود عمل درآمد ضروری ہے تاکہ ہمہ وقت یہ احساس زندہ رہے کہ انسان کے پاس موجود ملکیت، امانت کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں وہ فطری اصولوں اور شرعی قواعد کا پابند ہے، اور پھر یہ کہ اگر معاشرہ پر افتاد آن پڑے تو زکوۃ پر عمل کرنے کی سبب

Marfat.com

وہاں خرچ کرنے میں کوئی دلی تنگی نہیں ہوگی، اس طرح انسان کے اندر بخل، لالچ اور سرمایہ پرستی کے امراض کا مستقل عملی علاج مقرر کردیا گیا ہے۔

اگر معاشرے میں قانون زکوۃ زیر عمل آنے کے باوجود تنگ دستی اور بدحالی موجود رہے تو پھر اسی قانون پر اکتفاء نہیں کیا جائے بلکہ ضروری ہوگا کہ انسداد افلاس کیلئے دیگر اجتماعی ضابطے روبہ عمل لائے جائیں تاکہ فرضیت زکوۃ کے مقاصد کی تکمیل ہوسکے، چنانچہ قرآن حکیم میں زکوۃ کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ قرابت داروں، یتیموں اور ضرورت مندوں پر خرچ کی مد کا علیحدہ(۱۷۶) اور احادیث میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں ذکر کیا گیا ہے(۱۷۷) گو ان کا تعین نہیں کیا گیا تاکہ عصری تقاضوں کے مطابق اجتماعی ضرورتوں کے حوالہ سے وقتی قوانین بنائے جاسکیں۔

جنازہ کے پیچھے چلنا ایمان کا حصہ ہے
باب اتباع الجنائز من الایمان

امام بخاری عمل خیر کے جزو ایمان ہونے کے موقف کو مزید واضح کر رہے ہیں کہ جنازے کے ساتھ جانا ایک عمل خیر ہے جو ایمان میں داخل ہے، علاوہ ازیں گزشتہ باب سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ جس طرح زکوۃ سے ایک ضرورت مند کی معاشی ضروریات پوری ہوتی ہیں اسی طرح جنازے کے ساتھ جانے سے متوفی کو آخرت کے حوالے سے سہارا ملتا ہے اور اس کے اعزہ و اقرباء کی ڈھارس بندھتی ہے اور ان کا غم ہلکا ہوتا ہے۔

حدثنا احمد بن عبدالله بن على المنجوفى قال حدثنا روح قال حدثنا عوف عن الحسن و محمد عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (من اتبع

Marfat.com

جنازة مسلم ایمانا و احتسابا و کان معه حتّی یصلی علیها و یفرغ من دفنها فانه یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط مثل احد و من صلی علیها ثم رجع قبل ان تدفن فانه یرجع بقیراط) تابعه عثمان المؤذن قال: حدثنا عوف، عن محمد عن أبی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نحوه

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کوئی ایمان رکھ کر اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور نماز اور دفن سے فراغت ہونے تک اُس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا، ہر قیراط اتنا بڑا ہوگا جیسے احد کا پہاڑ اور جو شخص جنازے پر نماز پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ جائے تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔

توضیح: جو شخص اللہ پر ایمان کے عقیدہ کے تحت اور اجر و ثواب کے حصول کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلا یعنی محض معاشرتی رسم و رواج کی بناء پر نہیں کہ اس میں ریاکاری کا عنصر شامل ہوتا ہے اور نماز جنازہ میں شرکت کے بعد تدفین تک ساتھ رہا تو وہ دو قیراط اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں شرکت کے بعد تدفین سے قبل آجائے تو اس کو ایک قیراط کے بقدر ثواب ملتا ہے۔

قیراط سے مقصود دنیا کا قیراط نہیں جو تقریباً دو رتی کا ہوتا ہے بلکہ اس کی مقدار جبل احد کے ہم وزن ہے۔

یہ دین اسلام کی امتیازی خوبی ہے کہ وہ ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں افراد نہ صرف زندگی میں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرتے ہیں اور جذبۂ ایثار سے سرشار رہتے ہیں بلکہ موت کے بعد بھی ان کا برتاؤ اکرام و اعزاز کا ہی ہوتا ہے۔ اور یوں متوفی کے لواحقین اور پسماندگان کو اپنی بے بسی اور اجنبیت کا احساس شدت سے نہیں ستاتا۔

صاحب ایمان کی احتیاط

باب خوف المؤمن من ان یحبط عمله و هو لایشعر و قال ابراهیم التیمی: ما عرضت قولی علی عملی الا خشیت ان اکون مکذبا، و قال ابن أبی ملیکة: ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم کلهم یخاف النفاق علی نفسه مامنهم احد یقول انه علی ایمان جبریل و میکائیل، و یذکر عن الحسن: ماخافه الا مؤمن و لا أمنه الا منافق و مایحذر من الاصرار علی التقاتل و العصیان من غیرتوبة لقول الله تعالی و لم یصروا علی مافعلوا و هم یعلمون.

(باب مومن کو ڈرنا چاہیئے کہیں اس کے اعمال ضائع نہ ہوجائیں اور اس کو خبر نہ ہو اور ابراہیم تیمی نے کہا (جو واعظ تھے) میں نے اپنی گفتار کو جب اپنے کردار پر پیش کیا تو مجھ کو ڈر ہوا کہیں میں جھٹلایا نہ جاؤں اور ابن ابی ملیکہ نے کہا میں آنحضرت ﷺ کے تیس صحابہ سے ملا ان میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا ڈر لگا ہوا تھا ان میں کوئی یوں نہیں کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرئیل یا میکائیل کے ایمان کا سا ہے اور حسن بصری سے منقول ہے نفاق سے وہی ڈرتا ہے جو ایماندار ہوتا ہے اور اس سے نڈر وہی ہوتا ہے جو منافق ہوتا ہے اس باب میں آپس کی لڑائی اور گناہ پر اڑے رہنے اور توبہ نہ کرنے سے بھی ڈرایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے (سورۂ آل عمران میں) فرمایا اور وہ اپنے (برے) کام پر جان بوجھ کر اڑا نہیں کرتے۔)

اس باب میں دو تراجم (عنوانات) ہیں ایک تو "خوف المومن ان یحبط عملہ وہو لایشعر" ہے یعنی مومن کو یہ اندیشہ رہنا چاہیئے کہ کسی وقت بھی غفلت اور بے شعوری میں اس کا عمل اکارت نہ ہوجائے، اور دوسرا ترجمہ ہے "ما یحذر من الاصرار علی التقاتل و العصیان من غیر توبۃ" یعنی ان امور کا ذکر جن سے صاحب

ایمان کو ضروری احتیاط برتنی چاہیئے مثلاً باہمی جنگ اور دیگر گناہوں پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا۔

گویا امام بخاری ان امور کے ذکر کے بعد جن سے ایمان مکمل ہوتا ہے ایمان کو نقصان پہنچانے والے اعمال کی وضاحت کر رہے ہیں اور اس سے مقصود بھی اس "ارجائی" نظریہ کا بودا پن ثابت کرنا ہے کہ ایمان کی موجودگی میں گناہوں اور معاصی کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

باب کا پہلا ترجمہ (عنوان) اس آیت حکیمہ پر مبنی ہے جس میں حکم ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ بلند آواز سے رسول سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے گفتگو کیا کرتے ہو، کہیں (اس بناء پر) تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو(۱۷۸)

آواز بلند کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ جس سے رسول اکرم ﷺ کو ایذاء ہو، واضح رہے آپ کو ایذاء و تکلیف دینا کفر ہے، اور کفر سے تمام نیک اعمال ضائع ہوجاتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ جس سے آپ کو ایذاء نہ ہو، اس سے اعمال اکارت نہیں جاتے تو گو ہر بلندی آواز سے کفر اور اعمال کا ضائع ہونا لازم نہیں آتا لیکن چونکہ یہ تعیین مشکل ہے کہ آواز کی بلندی کی کس نوعیت سے اعمال ضائع ہوتے ہیں اور کس سے نہیں اور اگر یہ تعیین ہو بھی جائے تو بھی بے خیالی میں حد سے تجاوز کا امکان موجود ہے اس لئے مطلقاً آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اور وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ بے خبری میں کہیں آواز اس طور پر بلند نہ ہوجائے جس میں ایذاء ہو جو کفر ہے اور جس سے تمام نیک اعمال ضائع ہوجائیں گے(۱۷۹) اس حکم سے رسول اکرم ﷺ کے مقام رفیع اور منصب عظیم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امام بخاری نے مذکورہ بالا عنوان کی وضاحت کے لئے کچھ اقوال ذکر کئے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ معروف عابد و زاہد اور واعظ تابعی ابراہیم تیمی کا قول ہے کہ میں نے اپنے گفتار و کردار کا جب بھی موازنہ کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار دیا جاؤں، گویا ان کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے جن میں حکم ہے "اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے، اللہ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ امر ہے جو کہو اسکو نہ کرو" (۱۸۰)

امام بخاری نے ابراہیم تیمی کا قول اس لئے نقل کیا ہے کہ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ اس نظریہ کے حامی ہیں کہ قبول ایمان کے بعد اعمال نیک و بد سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے ان کا قول، اس نظریہ کی تردید میں زیادہ موثر ہے۔

۲۔ ابن ابی ملیکہ کا قول ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ کے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملا، ان میں سے ہر ایک کو اپنے بارے میں نفاق کا اندیشہ تھا یعنی ہر شخص نفاق عملی سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ دوغلے پن اور دورنگی میں مبتلا نہ ہو، اس سے جہاں اعمال کو اہمیت نہ دینے والے نظریئے کا باطل ہونا واضح ہوتا ہے وہیں صحابہ کرام کی اس خوبی کا علم ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی خود احتسابی سے غافل نہیں ہوتے تھے، اور جس معاشرے میں افراد اپنا احتساب آپ کرتے ہوں وہاں قانون اور نظام کی عملداری کے معاشرے سے زیادہ پاکیزگی ہوتی ہے، چنانچہ یہی کیفیت صحابہ کرام کے معاشرے کی تھی کہ وہاں نظام کے احتساب کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ وہ خود ہی اپنا احتساب کرلیا کرتے تھے، لہذا صحابہ کرام کی سیرت و سوانح کا مطالعہ کرتے وقت اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے۔

ابن ابی ملیکہ مزید کہتے ہیں ان صحابہ میں کوئی یوں نہیں کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرئیل و میکائیل جیسا ہے یعنی کیفیت ایمان میں مساوات کا کوئی قائل نہیں تھا، اور اس سلسلے میں کوئی بڑا بول نہیں بولتا تھا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ جن امور کی تصدیق سے جبرئیل و میکائیل مومن ہوئے ہیں، انہی کی تصدیق سے ایک عام آدمی بھی صاحب ایمان کہلاتا ہے، گویا اس حوالہ سے ایمان میں مساوات ہو سکتی

Marfat.com

ہے(۱۸۱)

۳۔ حسن بصری کا قول ہے کہ نفاق کا اندیشہ اسے ہی ہوتا ہے جو صاحب ایمان ہوتا ہے اور اس سے بے خوف اور نڈر وہی ہوتا ہے جو منافق ہو، دراصل مومن کی خوبی یہی ہے کہ اس کا ایمان امید وخوف کے درمیان ہوتا ہے، اس لئے اسے نہ تو اپنے اعمال خیر پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ اور بے جا اطمینان ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غیر ضروری خوف و ہراس اور بے مقصد اندیشوں اور وسوسوں کو اپنے سر پر مسلط کرتا ہے۔

فائدہ۱: یہاں حسن بصری کا قول صیغہ مجہول (یُذکر) کے ساتھ منقول ہے، عموما اس صیغے سے کسی چیز کا تذکرہ اس امر کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے، لیکن امام بخاری کے ہاں اس کا استعمال محض ان معنوں میں ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ کس متن کا بالمعنی ذکر کریں یا کسی قول کو اختصار کے ساتھ بیان کریں تب بھی یہ صیغہ استعمال کرتے ہیں چنانچہ یہاں وہ حسن بصری کے صحیح السند قول کو روایت بالمعنی کے طور پر اختصار کے ساتھ بیان کرنے سبب صیغہ مجہول لائے ہیں(۱۸۲)

باب کے دوسرے ترجمہ (عنوان) کے اثبات کیلئے امام بخاری نے دو احادیث ذکر کی ہیں ان میں چونکہ "اصرار" کا ذکر نہیں تھا اس لئے قرآن حکیم کی آیت ذکر کرکے اس کمی کو پورا کیا ہے جبکہ "من غیر توبتہ" اصرار کی تفسیر ہے۔

گناہوں پر اصرار کے نتیجہ میں قلب میں ظلمت یوں جاگزیں ہوجاتی ہیں کہ بسااوقات ایمان بھی جاتا رہتا ہے اور یوں انسان کفر و شرک کے نظریاتی الجھاؤ میں پھنس کر رہ جاتا ہے اس سلسلہ میں امام بخاری نے جو آیت قرآنی پیش کی ہے اسکا ترجمہ ہے کہ "وہ لوگ جو کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنی ذات پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور اللہ کے علاوہ اور کون بخشنے والا ہے اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے" (۱۸۳)

حدثنا محمد بن عرعرة قال: حدثنا شعبة عن زبيد قال: سالت اباوائل عن المرجئة فقال: حدثنی عبدالله ان النبی صلی الله علیه وسلم قال (سباب المسلم فسوق و قتاله کفر)

ترجمہ: زبید بن حارث سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابووائل سے مرجئہ کے بارے میں پوچھا (جو کہتے ہیں گناہ سے آدمی فاسق نہیں ہوتا) انہوں نے کہا مجھ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔

توضیح: زبید نے حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی سے ارجائی نظریات کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں تک درست ہیں؟ انہوں نے جواب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق و نافرمانی ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

اس حدیث کے بیان کرنے سے مقصود اعمال کی اہمیت کو واضح کرنا اور اس نظریہ کی تردید ہے کہ ایمان کی موجودگی میں طاعت و معصیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس حدیث سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ بعض گناہ فاسق بنادیتے ہیں اور بعض کفر تک پہنچا دیتے ہیں، گو مسلمان کو گالی دینا اور اس سے لڑنا دونوں عمل معصیت ہیں لیکن حدیث میں دونوں کا فرق اصول بلاغت کی روشنی میں بتلایا گیا کہ "جب دو ایسی چیزیں ہوں جن کا حکم تو یکساں ہو لیکن ان میں مراتب و درجات کا نمایاں فرق ہو تو ایسی صورت میں ہر ایک کیلئے تعبیر میں ایسے الفاظ اختیار کئے جاتے ہیں جن سے فرق مراتب ظاہر ہو" ورنہ بصورتِ دیگر عوام الناس دونوں کو یکساں سمجھ سکتے ہیں اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہاں کفر سے اعتقادی کفر مراد نہیں بلکہ معاشرتی کفر ہے(۱۸۴)

حدیث بالا سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں نہ تو گالی گلوچ کی ریت ہوتی ہے اور نہ باہمی دنگا فساد، گویا منفی پروپیگنڈہ، بے لگام بیان بازی، قتل و غارت اور فساد و انتشار فاسق و کافر معاشرے کی ہی سماجی برائیاں ہیں۔

Marfat.com

حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا اسماعيل بن جعفر عن حميد عن انس قال اخبرنى عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه و سلم خرج يخبر بليلة القدر فتلاحى رجلان من المسلمين فقال: انى خرجت لاخبركم بليلة القدر، و انه تلاحى فلان و فلان فرفعت و عسى أن يكون خيرا لكم، التمسوها فى السبع و التسع و الخمس.

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھ کو خبر دی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اپنے حجرے سے) نکلے (لوگوں کو) شب قدر بتانا چاہتے تھے (وہ کونسی رات ہے) اتنے میں دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تو اس لئے باہر نکلا تھا کہ تم کو شب قدر بتلاؤں اور فلاں فلاں آدمی لڑ پڑے تو وہ (میرے دل سے) اٹھالی گئی اور شاید اسی میں کچھ تمہاری بہتری ہو تو (ایسا کرو) شب قدر کو (رمضان کی) ستائیسویں انتیسویں پچیسویں رات میں ڈھونڈو۔

توضیح: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب قدر کی بابت اطلاع دینے کیلئے باہر تشریف لائے تو مسجد نبوی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (قرض خواہ) اور عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ (مقروض) جھگڑ رہے تھے اور تکرار قرض کے بارے میں تھا آپ نے اس موقع پر کعبؓ سے فرمایا کہ نصف قرض معاف کردو، انہوں نے فوراً تعمیل کی پھر عبداللہؓ سے فرمایا کہ بقیہ قرض ادا کردو، اس طرح آپ نے اس نزاع کو باہمی رضامندی سے متوازن انداز میں نمٹادیا، لیکن اس دوران شب قدر سے متعلق بات آپ کے ذہن مبارک سے نکل گئی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو اس لئے باہر نکلا تھا کہ تم کو یہ بتاؤں کہ شب قدر کب ہے؟ لیکن فلاں فلاں کے باہمی نزاع کی وجہ سے اس کا علم مجھ سے لے لیا گیا اور شاید اسی میں تمہاری بہتری ہو اور وہ یہ ہوسکتی ہے کہ لوگ زیادہ تندہی اور کوشش سے عبادت کریں گے۔

اس واقعہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ ناپسندیدہ معاشرتی عمل سے

Marfat.com

روحانیت بھی متاثر ہوتی ہے اس لئے یہ خیال درست نہیں کہ فسادزدہ معاشرے میں رہتے ہوئے مکمل طور پر نیکی اور روحانیت کے تقاضے پورے کئے جاسکتے ہیں کیونکہ معاشرتی فساد ایسا ہمہ گیر عمل ہے کہ اس سے زندگی کا کوئی شعبہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی بناء پر آپ نے شبِ قدر جیسی روح پرور رات کی اطلاع پر معاشرتی ہم آہنگی کے عمل کو ترجیح دی اور دونوں حضرات کے باہمی قضیے کو حل کیا۔

حدیثِ جبرئیل

باب سوال جبريل النبى صلى الله عليه و سلم عن الايمان و الاسلام و الاحسان، و علم الساعة و بيان النبى صلى الله عليه وسلم ثم قال: جاء جبريل عليه السلام يعلمكم دينكم فجُعل ذلک كله دينا و ما بين النبى صلى الله عليه وسلم لوفد عبدالقيس من الايمان و قوله تعالى و من يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه. (۱۸۵)

(باب حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنا ایمان کیا ہے اسلام کیا ہے، احسان کیا ہے قیامت جانتے ہو (کب آئیگی) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان باتوں کو ان سے بیان کرنا پھر یہ فرمانا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہارا دین تم کو سکھانے آئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب باتوں کو دین فرمایا اور (اس باب میں اس کا بھی بیان ہے) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالقیس (قبیلے) کے پیغام پہنچانے والوں کو ایمان کے معنی بتلائے اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ آل عمران میں) فرمایا اور جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا کوئی دین چاہے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اس کی طرف سے۔)

Marfat.com

امام بخاری نے اس باب کے ذیل میں تین تراجم (عنوانات) قائم کئے ہیں۔
پہلے ترجمہ (عنوان) کے ذریعہ یہ واضح کر رہے ہیں کہ جبرئیل امین کے سوالات کے جواب میں آپ نے ایمان، اسلام اور احسان سے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ تمام دین کا مصداق ہیں چنانچہ آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے" اور جبرئیل امین کی تعلیم دین میں ایمان، اسلام اور احسان سب شامل تھے۔

دوسرے ترجمہ (عنوان) کے ذریعے امام صاحب یہ بتا رہے ہیں کہ ایمان اور اسلام ہم معنی ہیں اور حدیث وفد عبد القیس اس پر شاہد ہے جو "باب ادا الخمس من الایمان" کے ذیل میں آرہی ہے مذکورہ وفد کو ایمان کی بابت جو امور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے وہ وہی ہیں جو آپ نے جبرئیل امین کو اسلام کے ضمن میں بتائے، جس سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام ہم معنی ہیں۔

تیسرے ترجمہ (عنوان) سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور دین ہم معنی ہیں اور آیت قرآنی سے اسپر استدلال کیا ہے کہ "جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا" گویا اسلام اور دین ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔

ان تینوں تراجم (عنوانات) سے مقصود اعمال کی اہمیت کم کرنے کے ارجائی موقف کی تردید ہے۔

حدثنا مسدد قال: حدثنا اسماعيل بن ابراهيم اخبرنا ابوحيان التيمى عن ابى زرعة عن ابى هريرة قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم بارزا يوما للناس فاتاه جبريل فقال ما الايمان؟ قال الايمان ان تومن بالله و ملائكته و بلقائه، و رسله و تؤمن بالبعث، قال: ما الاسلام؟ قال: الاسلام ان تعبد الله و لاتشرک به و تقيم الصلاة و تؤدى الزكاة المفروضة، و تصوم رمضان، قال: ما الاحسان؟ قال: ان تعبد الله كانک تراه

فان لم تكن تراه فانه يراک قال: متى الساعة؟ قال: ماالمسئول عنها باعلم من السائل. و سأخبرک عن اشراطها: اذا ولدت الامة ربها و اذا تطاول رعاة الابل البهم فى البنيان فى خمس لايعلمهن الا الله، ثم تلا النبى صلى الله عليه وسلم ان الله عنده علم الساعة. الاية ثم ادبر فقال: ردوه، فلم يروا شيئا، فقال هذا جبريل جاء يعلم الناس دينهم قال ابوعبدالله جعل ذلک كله من الايمان.

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا (ایسا ہوا) ایک دن آنحضرت ﷺ لوگوں میں نمایاں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اور اس سے ملنے اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرو اور مر کر جی اٹھنے کو مانو اس نے پوچھا اسلام کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اس نے پوچھا احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی ایسی (دل لگا کر) عبادت کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اسکو دیکھنے کی کیفیت پیدا نہ کرسکو تو (یہ خیال رکھو کہ) وہ تم دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا قیامت کب آئے گی آپ ﷺ نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تم کو اس کی نشانیاں بتلائے دیتا ہوں جب لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب کالے اونٹ چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنانے میں مقابلہ کریں گے (بڑے امیر بن جائیں گے) قیامت (غیب کی ان) پانچ باتوں میں ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آنحضرت ﷺ نے (سورہ لقمان کی) یہ آیت آخر تک پڑھی "بیشک اللہ ہی جانتا ہے قیامت کب آئے گی" پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو پھر میرے سامنے لاؤ (لوگ گئے) تو

وہاں کسی کو نہیں دیکھا تب آپ نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے لوگوں کو انکا دین سکھانے آئے تھے امام بخاری نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب باتوں کو (دین کہہ کر) ایمان میں شریک کردیا۔

توضیح: یہ حدیث، حدیث جبرئیل علیہ السلام کے نام سے معروف ہے، اسکو تمام احادیث کا خلاصہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی کا نچوڑ قرار دیا گیا ہے، جس طرح سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہا گیا ہے اسی طرح اس حدیث کو ام السنتہ قرار دیا گیا ہے۔

حدیث میں مذکور واقعہ آپ کی آخری عمر میں پیش آیا جب آپ کی رحلت میں صرف تین ماہ باقی رہ گئے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں اس طور پر نمایاں تشریف فرما تھے کہ ہر شخص پہچان لے، ابتداء میں آپ صحابہ میں مل جل کر بیٹھتے تھے، جس سے ایک اجنبی کو شناخت میں دقت بھی ہوتی اور دریافت بھی کرنا پڑتا، اس بناء پر صحابہ نے آپ کے لئے نمایاں جگہ مقرر کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے مفاد عامہ میں اجازت دیدی (۱۸۶) غالباً اس واقعہ میں آپ بلند مقام پر تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا جس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس کے بال سیاہ تھے، اس پر تو نہ سفر کے کوئی اثرات تھے اور نہ ہی اسے صحابہ پہچان سکے (یعنی نہ وہ مسافر تھا اور نہ ہی مدینہ کا باشندہ تھا) حتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ابتداء میں نہ پہچان سکے، یہ شخص آپ کے زانو مبارک سے اپنے زانوں ملا کر بیٹھ گیا اور سوالات شروع کردیئے (۱۸۷)

پہلا سوال ایمان سے متعلقہ امور کے بارے میں تھا، آپ نے فرمایا کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں کا، اس سے ملنے کا اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرو اور مر کر دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کو مانو، اللہ کو ماننے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کے تمام صفات کے جامع ہونے اور تمام نقائص سے مبرا ہونے کا یقین رکھا جائے، اسکو ہی تکوینیات و تشریعیات میں حاکم حقیقی اور لائق عبادت مانا جائے اور یہ کہ اس کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی اسکا ہمسر نہیں ہے (۱۸۸) فرشتوں کے بارے میں ایمان اس امر کا ہونا چاہیئے کہ اللہ نے یہ مخلوق نور سے پیدا کی ہے، یہ اللہ کے سفیر اور کبھی نافرمانی نہ کرنے والے عبادت گزار اور تکوینی انتظامات

Marfat.com

کے نگراں ہیں (۱۸۹) اللہ سے ملنے کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز ایمان والوں کو اللہ کا دیدار ہوگا یا یہ کہ خدائی عدالت میں سب کی حاضری ہوگی، رسولوں پر ایمان ان معنوں میں ہے کہ اللہ نے انہیں اپنا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا اور انہیں ہمہ قسم کے گناہوں سے محفوظ اور معصوم رکھا، تکالیف و مصائب کے باوجود انہوں نے فریضۂ رسالت میں کبھی کوتاہی نہیں کی بعد ازیں اس شخص نے اسلام کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ کسی کو شریک کئے بغیر اللہ کی عبادت و اطاعت کی جائے، فرض نماز و زکوۃ ادا کی جائے، رمضان کے روزے رکھے جائیں ایک اور روایت میں حج کا بھی ذکر ہے۔

اس شخص نے تیسرا سوال احسان کے متعلق کیا، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، یہ اعلیٰ درجہ کی حالت ہے، انسان اس میں حق کا مشاہدہ اس طرح کرنے لگتا ہے گویا اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اگر اس مشاہدہ کا دل پر غلبہ نہ ہو تو کم از کم یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر حال کو دیکھ رہا ہے، احسان کا دوسرا نام تصوف ہے تصوف کا لفظ سن کر عام طور پر قدامت پسندی اور رجعت پسندی کا خیال آتا ہے اور تصوف کو عموماً عمل اور اقدام کی ضد سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان محض گوشت پوست کا نام نہیں، اس گوشت پوست کے اندر ایک چیز ہے جو بولتی ہے، سوچتی ہے اور اعضاء و جوارح سے کام لیتی ہے، اسے نفس کہہ لیجئے یا روح۔ تصوف، انسان کی اس روح میں ایک ہیجان پیدا کرتا ہے، اسے ایک ولولہ دیتا ہے، اس میں ایک حرکت پیدا کرتا ہے کہ وہ سوچے، کچھ چاہے اور اس کے لئے مصروف عمل ہو یہ ایک برقی رو ہے جو انسان کے اندر دوڑ جاتی ہے۔ تصوف زندگی میں کوئی خاص راہ عمل متعین نہیں کرتا بلکہ راہ عمل پر ہمت اور استقامت سے چلانے والا جذبہ ہے جو نیک کاموں کو خلوص سے، عقیدت سے اور دل و جان سے کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ احسان و تصوف کی یہ کیفیت کتابوں کے مطالعے اور تقاریر سننے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ باشعور، مخلص اور صالح بزرگوں، دوستوں اور اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کی توجہ سے حاصل ہوتی

Marfat.com

ہے(۱۹۰) پھر احسان میں کئی مراتب ہیں اعلی مرتبہ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، ایک مرتبہ صحابہ کرام کا ہے، اسی طرح اولیاء وصلحاء کے مراتب ہیں، گویا شریعت جو ایمان واسلام کا مجموعہ ہے، اس کی باقاعدہ اور متواتر مشق سے احسان حاصل ہوتا ہے، یہی طریقت ہے لہذا شریعت وطریقت کا علیحدہ علیحدہ سمجھنا ایک دھوکہ ہے۔

طریقت، شریعت اور سیاست کی مانند دین کا ایک بنیادی جزو ہے ان بنیادی اجزاء کی تکمیل ایک دوسرے کے بغیر نہیں ہوسکتی، شریعت سے راہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر یہ راستہ ہی سامنے نہ ہو تو قطع مسافت کیسے ممکن ہے؟ طریقت سے راہ پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے کہ اگر رہروی کی طاقت نہ ہو تو محض راہ کے درست ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ اور سیاست سے راہ کی رکاوٹیں صاف ہوتی ہیں کہ اگر راستہ پر خار اور سنگ راہ سے لبریز ہو تو طاقت بھی کیا کام دے سکتی ہے؟ اگر پھر بھی کام لیا جائے تو ساری طاقت راستہ پر ہی صرف ہو کر رہ جائے گی اور منزل مقصود تک رسائی ہی مشکل ہوجائے گی پس شریعت "راہ" ہے، طریقت "قوت رہروی" ہے اور سیاست "تصفیہ راہ" ہے۔

اگر ان تین عناصر کو ایک دوسرے سے جدا کردیا جائے تو ان کے باہمی امتزاج کے مشترکہ فوائد ختم ہو کر کوئی نہ کوئی نقصان اور مضرت رونما ہوجائے گی، اگر محض طریقت رہ جائے جس میں شریعت اور سیاست نہ ہو تو وہ محض وحشت اور خجالت (مردم بیزار شرمندگی) یعنی رہبانیت ہے اور اگر محض شریعت ہو جس کے ساتھ طریقت اور سیاست نہ ہو تو وہ شدت وجمود محض یعنی پاپائیت ہے اور اگر سیاست کے ساتھ طریقت وشریعت نہ ہو تو وہ محض دھونس، دھاندلی اور نخوت وتکبر یعنی فرعونیت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات انفرادی طور پر کمال شمار نہیں ہوتیں بلکہ باعث فساد سمجھی جاتی ہیں اس لئے ان میں ہر ایک دوسرے کا مصلح ہے اور اس لیے دین نے ان سب کو جمع کرکے اپنا نام "دین" رکھا ہے جیسا کہ زیر نظر حدیث جبرئیل علیہ السلام سے واضح ہے، پس طریقت کی وحشت وانفرادیت کا مصلح شریعت اور سیاست ہے جن کی بنیاد

تعلقات کی کثرت اور اجتماعیت پر ہے، شریعت کے جمود کا مصلح طریقت ہے جس سے قلب میں نرمی و ہمدردی اور رأفت و لینت پیدا ہو کر جمود و تشدد زائل ہوتا ہے، سیاست کے جبر و سطوت اور نخوت و تحکم کا مصلح شریعت و طریقت ہے جن کی آمیزش سے مخلوق خدا کے لئے ہمدردی اور تربیت عالم کا ظہور ہوتا ہے اور خلافتِ الٰہی نمایاں ہو کر نفسانی جبر و قہر فنا ہو جاتا ہے پھر شریعت و طریقت کی کسمپرسی و بے بسی کا مصلح سیاست ہے جس کی مادی شوکت ان دونوں کے لئے سرمایہ عظمت و حفاظت بنتی ہے (۱۹۱)

ایمان، اسلام اور احسان کے باہمی تعلق کو محقق مدنی نے ایک مثال سے یوں واضح کیا کہ ایمان، تخم و بیج، اسلام، درخت اور احسان پھل و پھول کی مانند ہے (۱۹۲)

آخر میں یہی سوال باقی رہ جاتا تھا کہ عبادت کے اس اعلیٰ و اکمل مرتبہ کے حصول کے بعد جس کو احسان کہا جاتا ہے اس دنیا کا نظام کب ختم ہوگا، اسی لئے آنے والے شخص نے قیامت کے وقت کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مسئول عنہ، سائل سے زیادہ باخبر نہیں یعنی قیامت کے آنے کا تو ہم دونوں کو علم اور یقین ہے لیکن وقت کے بارے میں ہم دونوں لاعلم ہیں، آپ نے جواب میں جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے اس سے اس حقیقت کی جانب متوجہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے وقت کے بارے میں لاعلمی آپ اور آپ کے مخاطب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس امر سے متعلق دنیا کا ہر سوال کنندہ اور جواب دہندہ ایک ہی سطح پر ہیں، پھر آپ نے علامات قیامت بتائیں کہ جب باندی اپنے آقا کو جنے گی یعنی معاشرتی بد نظمی پیدا ہو جائے گی اور تمام معاشرتی ادارے شکست و ریخت سے دوچار ہو جائیں گے، نیز سیاہ اونٹ کے چرانے والے طویل عمارتوں کے بنانے میں باہمی مقابلہ کریں گے گویا معاشرے کو خود غرضی پر مبنی مقابلہ بازی اس شدت سے گرفت میں لے لیگی کہ عام طور پر الگ تھلگ رہنے والے دیہات کے افراد بھی اس منفی دوڑ میں شریک ہو جائیں گے، پھر آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت کی جس میں قیامت کو ان پانچ غیبی امور میں سے بتایا گیا ہے کہ جو صرف اللہ کے علم میں ہیں۔

Marfat.com

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے غیبی امور کی کلیات واصول کا علم اللہ تعالی کے ساتھ مخصوص ہے تاہم منتشر جزئیات کا علم سمجھدار افراد اور برگزیدہ بندوں کو بھی عطا کردیا جاتا ہے چنانچہ اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ کو امتیازی طور پر بہت وافر حصہ ملا ہے۔ غیب کا معنی ہے وہ چیز جو پانچوں حواس سے بلاواسطہ نیز عقلی دلیل سے معلوم نہ ہوسکے (۱۹۳) لہذا عقلی دلیل سے علم میں آنے والی چیز غیب نہیں کہلائے گی اور نہ ہی علامات و آلات کے ذریعے کسی چیز کا علم، غیب کے علم کے زمرے میں آتا ہے (۱۹۴) اسلئے عالم الغیب صرف اللہ تعالی کی ذات کو کہا جائیگا کیونکہ تکوینی کلیات کا صرف اسے ہی علم ہے جیسے فقیہ اس کو کہا جاتا ہے جو فقہ کے اصول وماخذ سے واقف ہو اور طبیب (ڈاکٹر) وہ کہلاتا ہے جو میڈیکل کے اصول وفن جانتا ہو لہذا جس شخص کو محض فقہی جزئیات یاد ہوں (خواہ کثیر سہی) یا کوئی کئی امراض اور ان کی دواؤں سے واقف ہو اصولاً فقیہ اور ڈاکٹر نہیں کہلاسکتے (۱۹۵)

الغرض ان سوالات کے جواب حاصل کرنے کے بعد وہ شخص چلا گیا، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اسے واپس بلاؤ لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا، آپ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے کی غرض سے تشریف لائے تھے، ایک روایت میں ہے کہ وہ ہر سوال کے جواب پر آپ کی تصدیق بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں تعجب ہوتا کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی (۱۹۶)

باب

امام بخاری نے گزشتہ سے پیوستہ باب میں متعدد دلائل سے یہ بات واضح کی تھی کہ مومن کو کسی وقت بھی اعمال خیر کی طرف سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے کیونکہ غفلت برتنے والے شخص کا ایمان ہر وقت اندیشوں میں گھرا رہتا ہے اور اب باب

بلاترجمہ (بلاعنوان) قائم کرکے گزشتہ باب سے پیداشدہ تاثر کی نفی کررہے ہیں اور واضح کررہے ہیں کہ ایمان ایسے شخص کا اندیشوں میں گھرا رہتا ہے جس کا ایمان دل میں راسخ نہ ہو اور جس شخص کے دل میں ایمان رچ بس جائے، اسے دین سے بیزار کرنے والی دنیا کی کوئی طاقت نہیں، لہذا وہ وسوسوں اور اندیشوں کی بجائے اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرتا ہے تو چونکہ اس باب کا گذشتہ سے پیوستہ باب سے ایک ربط ہے، اس لئے اس کا عنوان ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری نے اپنے نظریہ کی تائید کے لئے حدیث ہرقل کا ایک جزو پیش کیا ہے اور حدیث کے کسی جزو کو علیحدہ ذکر کیا جائے تو اسے محدثین کی اصطلاح میں "خرم" کہتے ہیں، حدیث کا مخروم جزو اگر اظہار معنی کے لئے دوسرے اجزاء کا محتاج ہے یا علیحدہ ذکر کرنے کے بعد اس کے معنی بدل جائیں تو ایسا "خرم" درست نہیں لیکن اگر وہ اپنے معنی بتانے میں دوسرے اجزاء حدیث کا محتاج نہ ہو تو ایسا خرم یا قطع و برید جائز ہے اور امام بخاری بھی اسی حد میں حدیث کا حصہ ذکر کرتے ہیں (۱۹۷)

حدثنا ابراهيم بن حمزة قال: حدثنا ابراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب عن عبيدالله بن عبدالله، ان عبد الله بن عباس اخبره قال: اخبرنی ابوسفيان ان هرقل قال له: سالتک هل يزيدون ام ينقصون، فزعمت انهم يزيدون و كذلک الايمان حتى يتم، و سألتک هل يرتد احد سخطة لدينه بعد ان يدخل فيه فزعمت ان لا، و كذلک الايمان حين تخالط بشاشته القلوب لايسخطه احد

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی ان کو ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہرقل (روم کے بادشاہ) نے ان سے کہا میں نے تم سے پوچھا اس پیغمبر کے تابعدار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے کہا بڑھ رہے ہیں اور ایمان کا یہی حال رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہو (اپنی قوت کو پہنچ جائے) اور میں نے تم سے پوچھا کوئی اس کے دین میں آکر پھر اس کو برا سمجھ کر

پھر جاتا ہے تو تم نے کہا نہیں اور ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی خوشی دل میں سماجاتی ہے تو پھر کوئی اس کو برا نہیں سمجھتا۔

توضیح: صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم ﷺ نے مختلف ممالک کے حکمرانوں کے نام خطوط ارسال کئے تھے جن میں انہیں دعوت ہدایت دی گئی، ان میں ایک خط حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ قیصر روم ہرقل کے نام بھیجا گیا، جو انہوں نے بُصری کے گورنر حارث بن ابی الشمر غسانی کو دیا، حسن اتفاق سے قیصر ان دونوں فارس پر رومی فتح کی خوشی میں اپنی منت پوری کرنے کیلئے حمص سے ایلیاء (بیت المقدس) پیدل آیا ہوا تھا، قیصر نے نامۂ مبارک پڑھتے ہی دریافت کیا کیا یہاں ایسا کوئی شخص ہے جو صاحب مکتوب سے نسب میں قریب اور ان سے بخوبی واقف ہو، انہیں دنوں ابوسفیان (اس وقت ان کی حیثیت مسلمانوں کی حریف فوج کے سربراہ کی تھی) تجارتی قافلہ کے ساتھ وہاں گئے ہوئے تھے، چنانچہ تلاش و جستجو کے بعد ان کو قافلہ سمیت دربار قیصری میں طلب کیا گیا، اس موقع پر قافلہ کے آدمیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بٹھایا گیا، قیصر نے ان سے کہا اگر یہ غلط بیانی کریں تو تم نشاندہی کردینا، عربوں میں جھوٹ بولنے کو انتہائی معیوب گردانا جاتا تھا اوز اسی بناء پر ابوسفیان کہتے ہیں اگر مجھے اپنے جھوٹے ہونے کے پروپیگنڈہ سے شرم مانع نہ ہوتی تو میں ضرور غلط بیانی کرتا، الغرض ترجمان کے ذریعہ ہرقل نے سوالات کئے جن کے جوابات ابوسفیان نے دیئے، جوابات مکمل ہونے کے بعد قیصر روم نے ان پر فاضلانہ تبصرہ کیا، ان سولات، جوابات اور تبصروں کی درج ذیل تفصیل سے دعوت نبوت کے پس منظر و پیش منظر کی بڑی عمدہ وضاحت ہوتی ہے۔

سوال 1: تم لوگوں میں اس شخص (یعنی نبی ﷺ) کا نسب کیسا ہے؟

جواب: وہ اعلی نسب والے ہیں۔

تبصرہ: پیغمبر ہمیشہ اپنی قوم میں اعلیٰ خاندانوں میں ہی بھیجے جاتے ہیں۔

سوال 2: یہ بات (دعوی نبوت) تم (قریش) میں سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے؟

جواب: جی نہیں۔

Marfat.com

تبصرہ: اگر یہ بات پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں کہتا یہ شخص اس کی پیروی کر رہا ہے۔

سوال 3: کیا ان کے ان آباء واجداد میں کوئی بادشاہ تھا؟

جواب: جی نہیں۔

تبصرہ: اگر ان کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کی بادشاہت لینے کا خواہشمند ہے (یعنی نبوت کا دعوی محض ایک چال ہے)

سوال 4: بڑے لوگ (دولتمند اور بااثر) ان کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ؟

جواب: نہیں! غریب لوگ۔

تبصرہ: پیغمبروں کے اتباع کرنے والے (ابتدائی دور میں اکثر و بیشتر) کمزور (غریب) لوگ ہی ہوتے ہیں۔ (کیونکہ دعوت دین سرمایہ پرستی اور جاہ پرستی کے خاتمہ کی نقیب ہوتی ہے)

سوال 5: پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

جواب: بڑھ رہے ہیں۔

تبصرہ: ایمان کا یہی حال ہوتا ہے یہاں تک مکمل ہوجائے۔ (یعنی دین غالب ہوجائے اور احکام مکمل ہوجائیں گویا دین اس جہاں میں غالب ہونے کیلئے آیا ہے)

سوال 6: کیا انمیں سے کوئی دین میں داخل ہونے کے بعد اسے ناگوار جان کر واپس (کفر میں) لوٹ جاتا ہے؟

جواب: جی نہیں۔

تبصرہ: ایمان کا یہی حال ہوتا ہے جب اسکی خوشی دل میں سماجاتی ہے (تو پھر نکلتی نہیں) اور پھر مؤمن کیلئے تمام ناگوار امور کا برداشت کرنا ممکن ہوجاتا ہے اور وہ لائق اطمینان زندگی بسر کرنے لگتا ہے)

Marfat.com

سوال 7: یہ بات جوانہوں نے کہی (کہ میں رسول ہوں) کیا اس سے پہلے کبھی تم نے انپر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟

جواب: جی نہیں۔

تبصرہ: تواب میں نے سمجھ لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے (گویا حقوق العباد میں محتاط رویہ کا حامل حقوق اللہ میں بھی بے احتیاطی سے گریز کرتا ہے)

سوال 8: کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟

جواب: جی نہیں (تاہم) ہم ان کی طرف سے (صلح کے) ایک عرصہ میں ہیں، معلوم نہیں وہ کیا کرنے والے ہیں؟

(ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صرف یہی جملہ میں اپنی طرف سے شامل کرسکا تھا)

تبصرہ: پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ عہد نہیں توڑتے۔

سوال 9: کیا تمہاری ان سے کبھی لڑائی ہوئی ہے؟

جواب: جی ہاں۔

سوال 10: تمہاری ان سے لڑائی کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جواب: ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ڈانواڈول رہتی ہے (کبھی) وہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں اور (کبھی) ہم انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔

سوال 11: وہ تمہیں کس چیز کی ہدایت دیتے ہیں؟

جواب: وہ کہتے ہیں، صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، جو کچھ (خرافات) تمہارے آباؤاجداد کہتے ہیں، اسے چھوڑو، وہ ہمیں نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ (جو انسانیت کے بنیادی اخلاق کا خلاصہ ہیں)۔

تبصرہ: اگر تمہاری بات درست ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کے مالک بنیں گے جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی سرزمین شام)، اور مجھے معلوم تھا

Marfat.com

کہ یہ (پیغمبر) آنے والے ہیں (مگر) یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو ان سے ملنے کی ضرور کوشش کرتا اور اگر میں ان کے پاس (مدینہ میں) ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا یعنی خدمت کرتا(۱۹۸)

اپنے دین کو بچا لینے والے کی فضیلت
باب فضل من استبرا لدينه

امام بخاری کا اس ترجمہ (عنوان) سے مقصد یہ ہے کہ جس طرح ایمان و کفر اور ظلم و نفاق میں مراتب و درجات بیان ہوئے ہیں، اسی طرح ورع (اللہ کا لحاظ کر کے اس کی ناپسندیدہ چیز کو ترک کرنا) میں بھی مراتب و درجات ہیں اس کا پہلا درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے، دوسرا درجہ کبیرہ گناہوں سے بچنا اور تیسرا درجہ صغیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے۔ چوتھا مشتبہات یعنی شبہ کی چیزوں سے بھی پرہیز کرنا ہے، امام غزالی کی اصطلاح میں یہ "ورع صالحین" ہے۔ پانچواں درجہ یہ ہے کہ برائی میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے کئی مباح امور ترک کر دیئے جائیں، یہ امام غزالی کی اصطلاح میں "ورع متقین" ہے چھٹا درجہ یہ ہے کہ ایسی حلال چیز کا استعمال نہ کرنا جس میں اللہ کی عبادت اور تعلق مع اللہ کے لئے طاقت و قوت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو اسے وہ "ورع صدیقین" قرار دیتے ہیں(۱۹۹) الغرض ہر مسلمان کو مقدور بھر ورع کی ان منازل کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے خصوصاً ان افراد کو جو معاشرتی تبدیلی کے لئے سرگرم عمل ہوں، اس جانب بہر صورت خصوصی توجہ دینا ضروری ہے ورنہ ان کی کاوش محض سیاست گردی شمار ہوگی۔

حدثنا ابونعيم حدثنا زكريا عن عامر، قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

Marfat.com

الحلال بين والحرام بيّن، و بينهما مشبهات لايعلمها كثير من الناس، فمن اتق المشبهات استبرا لدينه و عرضه، وٗ من وقع فى الشبهات كراع يرعى حولِ الحمى، يوشک ان يواقعه، ألا و ان لكل ملک حمى، ألا ان حمى اللّٰه فى أرضه محارمه، الا و ان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، و اذا فسدت فسد الجسد كله، الا وهى القلب.

ترجمہ: عامر سے روایت ہے میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے جلال کھلا ہوا ہے اور حرام کھلا ہوا ہے اور دونوں کے بیچ میں بعض چیزیں شبہ کی ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے (کہ حلال ہے یا حرام) پھر جو کوئی شبہ کی چیز سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑگیا اسکی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو (بادشاہی) کے رمنہ (مخصوص سرکاری چراگاہ) کے آس پاس (اپنے جانوروں کو) چرائے وہ قریب ہے اس کے اندر گھس جائے سن لو ہر بادشاہ کا ایک رمنہ ہوتا ہے سن لو اللہ کا رمنہ اس کی زمین میں حرام چیزیں ہیں۔ سن لو بدن میں ایک (گوشت) کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوگا سارا بدن درست ہوگا اور جہاں وہ بگڑے گا سارا بدن بگڑ جائے گا، سن لو وہ (آدمی کا) دل ہے۔

توضیح: اس حدیث کو ارکان اسلام میں سے قرار دیا گیا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جو کمسن صحابہ میں سے شمار ہوتے ہیں، بعض روایات کے مطابق اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ میں ان سے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان اشتباہ والی چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے یعنی شرعی دلائل سے جب کسی چیز کی حلت یا حرمت متعین ہوجائے تو اس کا حکم واضح ہے اور پھر عمل میں کوئی تردد اور کھٹکا نہیں رہتا کہ جو حلال ہے اس کو استعمال میں لایا جائے اور جو حرام ہے اس سے اجتناب برتا جائے۔

Marfat.com

اور ان کے درمیان جو مشتبہ امور ہیں ان میں اشتباہ واقع ہونے کی پانچ وجوہات ہوسکتی ہیں۔

۱۔ کبھی دلائل کے باہمی تعارض کے سبب ایسا ہوتا ہے یعنی ایک چیز میں حلت و حرمت کے دونوں طرف سے دلائل موجود ہوں جن کی وجہ سے متعین طور پر مجتہد کسی ایک جانب فیصلہ نہ کرسکے جیسے مشکوک پانی یعنی گدھے اور خچر کا پیا ہوا پانی کہ ایک حدیث کے رو سے آپ نے وہ ہانڈیاں الٹوادیں جن میں گدھے کا گوشت پکایا جارہا تھا اور اسے ناپاک قرار دیا جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک صحابی کو اس گوشت کھانے کی اجازت دی تھی، تو چونکہ لعاب گوشت کے حکم میں ہے اس لئے اس کے جھوٹے میں بھی شک پیدا ہوگیا۔

۲۔ کبھی ایک چیز کی حلت تو ثابت ہوتی ہے لیکن حرمت کے کسی قرینے اور علامت کی وجہ سے اشتباہ آجاتا ہے جیسے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ایک عورت نے آکر بتایا کہ اس نے ان کو اور ان کی بیوی کو دودھ پلایا ہے گویا وہ دونوں دودھ شریک (رضاعی) بہن بھائی ہوئے، حضرت عقبہ نے اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا لیکن رسول اکرم ﷺ نے شبہ کے سبب حضرت عقبہ کو اپنی بیوی سے علیحدہ ہونے کا ارشاد فرمایا حالانکہ شرعاً گواہی کا نصاب بھی موجود نہیں تھا۔

۳۔ کبھی شارع کے نزدیک ایک چیز ایک لحاظ سے لائق ترک ہوتی ہے اور دوسرے حوالے سے قابل قبول ہوتی ہے جیسے مکروہ اشیاء۔

۴۔ کبھی کوئی چیز واقع کے اعتبار سے بالکل درست اور حلال ہوتی ہے لیکن دوسروں کو کسی وجہ سے شبہ ہوسکتا ہے جیسے تہمت کے مقامات کہ جن کی بابت ایک حدیث میں ہے کہ ان سے بچا جائے لیکن یہ قسم حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں بنتی۔

۵۔ کبھی دلائل میں ترجیح کے اعتبار سے مجتہدین کے اختلاف سے شبہ پیدا ہوجاتا ہے(۲۰۰)

الغرض جس نے ان مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا تو اس نے اپنے دین اور آبرو

Marfat.com

کو سلامت رکھا یعنی مشتبہ امور میں مبتلا ہونے سے دنیوی نقصان بھی ہے کہ ایسا شخص معاشرے کی نظروں میں بے وقعت ہوجاتا ہے جس سے اسکی عزت بھی مجروح ہوتی ہے اور دینی مضرت بھی ہے کہ دین بالکل صاف ستھرا اور محفوظ نہیں رہتا نیز شیطان کے فریب میں آکر حرام میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا، اس کی مثال ایسی چرواہے کی سی ہے جو سرکاری چراگاہ کے ارد گرد جانور چرارہا ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں وہ جانور چراگاہ میں داخل نہ کرادے گویا "انسان" چروابا ہے، اسکا "نفس" وہ جانور ہے جسے وہ چرارہا ہے حرام اشیاء "چراگاہ" ہیں اور اس کا "ماحول "مشتبہ امور ہیں۔

ان مشتبہات سے بچنے کیلئے مکمل قانون سازی اور پھر اس پر عملدرآمد چونکہ مشکل ہے لہذا اس کے یہی طریقہ رہ جاتا ہے کہ دل کی درستگی کی طرف توجہ دی جائے یعنی دل اگر صالح، تندرست اور اس میں خوف خدا ہوا تو پھر مشتبہات سے بچنا آسان ہے کیونکہ پھر ہر عضو متقی اور پرہیزگار بن جائے گا اور اگر قلب ہی بگڑ گیا تو پھر وہ ہر عضو کی گناہوں کی طرف رہنمائی کرے گا چنانچہ تصوف میں اسی دل کی دنیا ہی بدلی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام و مشائخ حق نے اشاعت اسلام اور اعلی اخلاقی اقدار کے فروغ میں جو کردار ادا کیا وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو مسلم حکمرانوں اور دیگر مذہبی افراد نے انجام دیا ہے۔

خُمس کی ادائیگی

باب اداء الخمس من الایمان

امام بخاری حسب معمول اعمال خیر کے جزو ایمان ہونے کے موقف کو ثابت کررہے ہیں کہ جو مال غنیمت کفار سے جنگ کے بعد ہاتھ آئے، اس میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا ایمان کا حصہ ہے اور یہ خمس اللہ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ (اور آپ

Marfat.com

کے بعد خلفاء) وصول کرکے پانچ مصارف (رسول، قرابتدار، یتیم، مسکین اور مسافر) پر خرچ کرسکتے ہیں۔

محقق سندھی نے ان مصارف کی یوں وضاحت کی ہے:

(۱) رسول اللہ ﷺ۔ آپکی مد میں خاندان نبوت اور آپ کے رشتہ دار حصہ پائیں گے،

(۲) ذوی القربی، اس سے مراد وہ افراد ہیں جو کار رسالت میں رسول خدا کے معاون و مددگار تھے کیونکہ آپ کا حقیقی قریب وہی ہے جو آپ سے اپنے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے، لہذا اس ضمن میں مہاجرین، انصار اور تابعین باحسان کے گروہ قابل ذکر ہیں، لہذا یہ تصور کہ آپ پانچواں حصہ اپنے ذاتی حوالہ سے اور پانچواں حصہ اپنے شخصی رشتہ داروں کے نام پر وصول کرتے ہیں، کسی طرح اسوۂ حسنہ کے اجتماعی مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔

(۳) یتیم یعنی باپ کی شفقت سے محروم بالخصوص شہداء کے بچوں کی کفالت و تربیت کیلئے خرچ۔

(۴) مساکین یعنی جو مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے معاشی زندگی کو استوار نہ کرسکیں، انہیں آلات و مشینری کی فراہمی۔

(۵) ابن السبیل یعنی ملکی نظام کا جائزہ لینے، دشمنوں کی تدابیر سے آگاہی نیز حصول علم کیلئے سفر کرنے والے(۲۰۱)

حدثنا علی بن الجعد قال: اخبرنا شعبة عن ابی جمرة قال: کنت اقعد مع ابن عباس یجلسنی علی سریره فقال: اقم عندی حتی اجعل لک سهما من مالی فاقمت معه شهرین ثم قال: ان وفد عبد القیس لما اتوا النبی، صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من القوم او من الوفد؟ قالوا: ربیعة، قال: مرحبا بالقوم، او بالوفد، غیر خزایا و لاندامی فقالوا: یا رسول اللّٰه، انا لانستطیع ان ناتیک الا فی شهر الحرام، و بیننا و

بینک هذا الحی من کفار مضر، فمرنا بأمر فصل نخبر به من وراءنا و ندخل به الجنة، و سالوه عن الاشربة، فامرهم باربع و نهاهم عن أربع، امرهم بالایمان بالله وحده قال: أتدرون ما الایمان بالله وحده؟ قالوا: الله و رسوله اعلم، قال: شهادة ان لا اله الا الله، و ان محمدا رسول الله، و اقام الصلاة، و ایتاء الزکاة و صیام رمضان و ان تعطوا من المغنم الخمس و نهاهم عن أربع، عن الحنتم و الدباء والنقیر و المزفت، و ربما قال المقیر، و قال: احفظوهن و اخبروا بهن من وراءکم.

ترجمہ: ابوجمرہ کہتے ہیں میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا وہ مجھ کو خاص اپنے تخت پر بٹھاتے (ایک بار) کہنے لگے تم میرے پاس رہ جاؤ میں اپنے مال میں تمہارا حصہ مقرر کردوں گا تو میں دو مہینے تک ان کے پاس رہا پھر کہنے لگے عبدالقیس کے بھیجے ہوئے لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کون لوگ ہیں یا کون بھیجے ہوئے ہیں انہوں نے کہا ربیعہ کے لوگ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مرحبا ان لوگوں کو یا ان بھیجے ہوئے لوگوں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس نہیں آسکتے مگر ادب والے مہینہ میں کیونکہ ہمارے اور آپ کے بیچ میں مضر کے کافروں کا یہ قبیلہ ہے تو ہم کو خلاصہ ایک ایسی بات بتلادیجئے جس کی خبر (اپنے) ان لوگوں کو کردیں جو یہاں نہیں آئے اور اس پر عمل کرکے ہم بہشت میں جائیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار باتوں کا ان کو حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا ان کو حکم یہ دیا کہ اکیلے (سچے) خدا پر ایمان لاؤ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو اکیلے خدا پر ایمان لانا کیا) ہے انہوں نے کہا (ہم کیا جانیں) اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور

Marfat.com

زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور (کافروں سے) جو مال غنیمت سے ان کا پانچواں حصہ اداء کرنا اور چار برتنوں سے ان کو منع کیا سبز لاکھی مرتبان اور کدو کے تونبے اور کرید کئے ہوئے لکڑی کے برتن اور مزفت یا مقیر (یعنی روغنی برتن) سے اور فرمایا ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے (اپنے ملک میں ہیں) ان کو بھی بتلادو۔

توضیح: ابوجمرہ (ان کا نام نصر بن عمران ہے۔ بصرہ کے باشندے تھے) کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا اور وہ مجھے اپنے تخت پر بٹھالیتے تھے کیونکہ (جیسا کہ بعض روایات میں ہے) یہ ان کے مترجم تھے یعنی عربی سے فارسی اور فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے (۲۰۲) حضرت ابن عباس نے ایک بار ان سے کہا کہ تم میرے پاس چند روز قیام کرو، میں تمہارے لئے اپنے مال میں سے کچھ حصہ مقرر کردوں گا چنانچہ یہ ان کے پاس دو ماہ رہے اور مال عنایت کرنے کی وجہ (بعض روایات کے مطابق) یہ تھی کہ ابوجمرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے مشورے کے مطابق "حج تمتع" کیا (۲۰۳) کہ ان کے ہاں حج کی افضل قسم تمتع ہے، (حج تمتع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عازم حج، میقات (وہ مقام جہاں سے بغیر احرام گذرنا ممنوع ہے) سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو اور عمرے کے افعال سے فارغ ہو کر احرام کھول دے پھر آٹھویں ذی الحجہ (یوم ترویہ) کو حج کا احرام باندھ کر افعال حج ادا کرے (۲۰۴) ابوجمرہ نے حج سے فارغ ہو کر خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ حج بھی قبول ہے اور عمرہ بھی یہ خواب جب انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو سنایا تو وہ اپنی رائے کی اس تائید سے بہت خوش ہوئے اور یوں کچھ ہدیہ دینے کا وعدہ کیا۔

ابوجمرہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس تھے کہ ایک عورت نے آکر ابن عباس سے مشکے کی نبیذ کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا، اس پر (۲۰۵) اور غالباً اس لئے بھی کہ چونکہ ابوجمرہ کا تعلق قبیلہ عبدالقیس کی شاخ ضبیعہ سے تعلق تھا (۲۰۶) انہیں حضرت ابن عباس نے وفد عبدالقیس کی حدیث سنائی، یہ قبیلہ بحرین میں آباد تھا اور

Marfat.com

یہاں اسلام منقذ بن حیان رضی اللہ عنہ کے ذریعے پہنچا، منقذ بحرین کے تاجر تھے اور مدینہ طیبہ میں کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ منقذ بن حیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، ان سے ان کے، ان کی قوم اور بحرین کے سرداروں کے نام لیکر ان کے حالات دریافت کئے، منقذؓ کو اس پر حیرت ہوئی کہ آپ تو کبھی بحرین تشریف نہیں لے گئے، بعد ازیں انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور سورہ فاتحہ اور سورہ علق کی تعلیم بھی حاصل کی، آپ نے منقذؓ سے ان کے خسر عائذ بن منذر کا حال بھی دریافت کیا جن کا لقب اشج تھا(۲۰۷) منذر جب گھر واپس لوٹے تو کچھ دن تک ایمان کو مخفی رکھا لیکن ان کی بیوی نے ان کو وضوء کرتے اور نماز ادا کرتے دیکھ لیا، اس نے اپنے باپ عائذ بن منذر کو بتلادیا کہ منقذ جب سے مدینہ سے واپس آئے ہیں تو ان کا طرز عمل یہ ہے کہ اعضاء کو دھوتے ہیں اور ایک خاص رخ ہو کر کبھی جھکتے ہیں اور کبھی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں، اس پر ان کے خسر نے ان سے صورتحال دریافت کی تو انہوں نے پورا واقعہ سنادیا اور یہ بھی بتادیا کہ رسول اکرم ﷺ نے آپ کے بارے میں دریافت کیا تھا، چنانچہ وہ بھی دائرہ اسلام میں آگئے اور پھر ان کی تبلیغ سے کچھ اور لوگ بھی مشرف باسلام ہوگئے یہاں تک کہ ۶ھ میں بارہ آدمیوں کا وفد مدینہ منورہ، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، بعد ازیں ۸ھ میں چالیس افراد پر مشتمل دوسرا وفد آیا، یہاں یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ حدیث میں کس وفد کا ذکر ہے(۲۰۸)

الغرض وفد عبدالقیس جب رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کس قوم کی جانب سے آئے ہو؟ (یا کس قوم کا وفد ہے؟) وفد نے جواب میں ربیعہ قبیلہ کا ذکر کیا (نزار بن معد بن عدنان کے چار بیٹے تھے، مضر، ربیعہ، انمار اور ایاد۔ نزار نے موت سے قبل وصیت کی تھی جو مال سرخ خیمہ کے مشابہ ہے وہ مضر کا ہے تو اس کے حصہ میں دینار اور سرخ رنگ کے اونٹ آئے اسی لئے مضر کو مضر الحمراء کہا گیا جو اموال سیاہ قبہ کے مشابہ ہیں خواہ چوپائے ہوں یا اور کچھ وہ ربیعہ کا حصہ ہے تو اسکو سیاہ رنگ کے گھوڑے دیئے گئے اسی لئے اس کو ربیعۃ الفرس کہا گیا تھیلی اور بیٹھک انمار کا حصہ ہیں تو اسکو دراہم اور زمین دی گئی اور جو مال اس خادمہ کے مشابہ ہو جس کے

Marfat.com

رنگ میں سفیدی اور سیاہی ہے وہ ایاد کا ہے تو اس کے حصہ میں ابلق گھوڑنے اور گائے بیل آئے(۲۰۹) رسول اکرم ﷺ نے ان کو مرحبا (خوش آمدید) کہا (مرحبا رحب سے ہے جس کے معنی وسعت کے ہیں گویا میزبان مہمان سے کہتا ہے کہ آپ کی آمد پر مجھے مسرت ہوئی اور میرے دل میں آپ کے لئے وسعت و گنجائش ہے، کبھی اس کے ساتھ "اھلاً" کا اضافہ ہوتا ہے یعنی آپ اپنے گھر میں آئے ہیں اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھئے اور "سھلاً" کے اضافہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ آرام دہ جگہ پر تشریف لائے ہیں) اور آپ نے مزید فرمایا کہ نہ رسوا ہوئے اور نہ ہی ندامت کی کوئی بات ہے، یعنی ان کی مسلمانوں سے جنگ نہیں ہوئی ورنہ مغلوب ہو کر رسوائی محسوس کرتے اور جنگ کرنے پر نادم ہوتے۔

چونکہ قبیلہ عبدالقیس کی مضر قبیلہ سے جنگ رہتی تھی اس لئے انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ وہ کفار مضر کے بحرین اور مدینہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے صرف حرمت والے مہینوں (محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ) کے علاوہ اور کسی ماہ میں آپ کے پاس حاضر نہیں ہوسکتے اس لئے ہمیں دو ٹوک باتیں بتائیں تاکہ ہم واپس جا کر اپنے لوگوں کو ان سے مطلع کرسکیں اور وہ اس کے ذریعے جنت میں داخل ہوسکیں، اس کے علاوہ انہوں نے خصوصیت سے برتنوں کے استعمال کے بارے میں سوال کیا۔

آپ نے چار امور بجالانے اور چار سے اجتناب کا حکم دیا، آپ نے اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے، نمازوں کو قائم رکھنے زکوۃ ادا کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر چونکہ ان کا کفار مضر سے مقابلہ رہتا تھا اس لئے آپ نے مناسب خیال کیا کہ جب یہ لوگ جہاد کرتے ہیں تو احکام غنیمت میں سے خمس کی ادائیگی کا حکم بھی بتلادیا جائے، گویا یہ آپ کی خصوصی عنایت تھی کہ پانچویں چیز کا بھی حکم دیا یا یہ کہا جائے کہ نماز، زکوۃ اور روزے ایمان باللہ کی تفسیر ہیں اس صورت میں گویا راوی نے دو چیزوں کا ذکر نہیں کیا صرف ایمان اور اداء خمس کا ہی ذکر کیا ہے(۲۱۰) اس روایت میں حج کا ذکر یا تو اس بناء پر نہیں کہ اس وقت تک اس کی فرضیت کا حکم نہیں آیا تھا یا اس وجہ سے نہیں کہ حج ہر وقت اور ہر ایک پر فرض بھی نہیں ہوتا پھر قبیلہ عبد

Marfat.com

القیس کے لئے تو کفار مضر کی وجہ سے راستہ بھی پرامن نہیں تھا جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ایک بنیادی شرط ہے۔

مزید برآں آپ نے چار برتنوں کے استعمال سے بھی منع کیا جن میں اس وقت بالعموم شراب بنائی یا استعمال کی جاتی تھی یعنی حنتم (شراب کا گھڑا جو اکثر سبز رنگ کا ہوتا ہے) دباء (کدو کا گودا نکال کر خول کو خشک کرکے جو برتن بنایا جاتا ہے) نقیر (لکڑی کو درمیان سے کرید کرکے تیار کردہ برتن) مزفت یا مقیر (کسی درخت کے نچوڑ یا تارکول، جیسی چیز سے پالش کردہ برتن) درحقیقت شراب کا معاملہ اس قدر حساس تھا کہ شراب کی حرمت نازل ہونے کے ابتدائی ایام میں ان برتنوں کو عام استعمال سے بھی منع کردیا گیا تاکہ کسی طور پر شراب کیلئے نرم گوشہ پیدا نہ ہو اور اس کی یاد دہانی نہ ہوتا ہم جب ذہنوں میں شراب کی حرمت راسخ ہو گئی، تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی (۲۱۱) اس سے یہ اہم نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ بسا اوقات ایک ناجائز اور فاسد عمل سے روکنے کیلئے اس سے متعلقہ اور اس تک راہ پانے والے کچھ امور پر بھی پابندی لگادی جاتی ہے تاکہ کسی طور پر بھی اس ناجائز عمل کی گنجائش نہ نکل سکے اسکو فقہ کی اصطلاح میں "سدّ الذرائع" کہتے ہیں لیکن جب اس امر کا یقین ہوجائے کہ اس فاسد عمل کا مکمل انسداد کردیا گیا ہے تو پھر وہ جائز امور دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں۔

اسی طرح بعض چیزیں بنیادی طور پر جائز بلکہ مستحسن ہوتی ہیں مگر معروضی حالات کے سبب غیر مستحسن اور امور کو فوقیت اور ترجیح دینا مستحسن ہوجاتا ہے، اور ایسے وقت میں موضوعی طور پر مستحسن پہلو کو اختیار کرنا کسی طور پر دانشمندی نہیں ہوتی اور حدیث میں اسکی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، جیسے رسول اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کے نزول کے وقت اللہ تعالی کے حضور باصرار عرض کرکے قرآن حکیم کو سات مشہور لہجوں میں پڑھنے کی اجازت حاصل کی تاکہ لوگوں کو پڑھنے میں سہولت ہو لیکن جب عجمی علاقوں میں اسلام اور قرآن کا پھیلاؤ ہوا تو ان لہجوں میں قراءت باہمی نزاع کا باعث بننے لگی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت راشدہ میں جماعت صحابہ نے معروضی حالات کے سبب قرآن حکیم کی تلاوت کو صرف ایک لہجہ میں منحصر کردیا، اسی

طرح رسول اکرم ﷺ چاہتے تھے کہ کعبہ کی عمارت کو از سر نو ابراہیمی بنیادوں پر استوار کریں مگر بعض نو مسلموں کے دین سے انحراف کے اندیشہ کے سبب آپ نے تعمیر نو کے ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا کہ نفع کے مقابلہ میں نقصان کی نوعیت کہیں بڑھ کر تھی، تو جب لوگوں کے مفاد اور نظم شریعت کی خاطر مستحسن پہلو پر غیر مستحسن پہلو کو فوقیت حاصل ہوجاتی ہے تو ایسے حالات میں جن کے دونوں پہلو یکساں جواز کے حامل ہوں کسی ایک پہلو کو فوائد کے نقطۂ نظر سے اختیار کرلینا عقل و روایت کی ہی پیروی ہے(۲۱۲)

اعمال اور نیت

باب ما جاء ان الاعمال بالنية و الحسبة و لكل امرئ ما نوى فدخل فيه الايمان و الوضوء و الصلاة و الزكاة والحج والصوم والاحكام و قال الله تعالى قل كل يعمل على شاكلته(۲۱۳) على نيته و نفقة الرجل على اهله يحتسبها صدقة، و قال النبى صلى الله عليه وسلم و لكن جهاد و نية.

(باب اس بات کا بیان کہ اعمال کا مدار نیت اور خلوص پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے تو عمل میں ایمان اور وضو اور نماز اور زکوۃ اور حج اور روزہ اور سارے معاملات (جیسے بیع و شرا اور نکاح و طلاق وغیرہ) آگئے اور اللہ نے (سورۂ بنی اسرائیل میں) فرمایا اے پیغمبر کہدے ہر کوئی اپنے طریق یعنی نیت پر عمل کرتا ہے اور (اور اسی وجہ سے) آدمی اگر ثواب کے لئے خدا کا حکم سمجھ کر اپنے گھر والوں پر خرچ کرے تو صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور (جب مکہ فتح ہوگیا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اب ہجرت نہیں رہی) لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔)

Marfat.com

امام بخاری ایمان، اعمال، گناہوں سے پرہیز اور ایمان سے متعلقہ امور ذکر کرنے کے بعد اس باب میں یہ واضح کررہے ہیں کہ ایمان سمیت تمام اعمال خیر کی مقبولیت کا دارومدار رضائے الٰہی کے حصول کی خالص نیت پر ہے اور گناہوں سے پرہیز بھی وہی معتبر ہے جس کا مقصد اللہ کی خوشنودی ہو لہذا درست نیت کا اہتمام اور رضائے خداوندی کے حصول کا قصد ضروری ہے۔

ترجمہ (عنوان) میں قرآن حکیم کی آیت کا ایک حصہ اور دو احادیث کے متعلقہ اجزاء مذکور ہیں دوسری حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد کسی نے رسول اکرم ﷺ سے ہجرت پر بیعت کرنے کی درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت ختم ہو گئی ہے کیونکہ مکہ فتح ہو کر دار الاسلام بن گیا ہے تاہم اعلیٰ مقاصد کے حصول کی خاطر جہاد کا فریضہ بدستور قائم ہے اور اگر جہاد کی کسی قسم کے لئے عملی اسباب فوری طور پر میسر نہ ہوں اور حالات ناسازگار ہوں تو جہاد کی نیت اور ارادہ بہر صورت ہونا چاہیئے۔

قال اخبرنا مالک عن یحیی بن سعید عن محمد بن ابراهیم عن علقمة بن وقاص عن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: (الاعمال بالنیة و لکل امرئ ما نوی فمن کانت هجرته الی الله و رسوله فهجرته الی الله و رسوله، و من کانت هجرته لدنیا یصیبها أو امراة یتزوجها فهجرته الی ما هاجر الیه)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اعمال کا مدار نیت پر ہے (یعنی نیت ہی سے ان میں ثواب ملتا ہے) اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے پھر جو کوئی اپنا دیس اللہ اور اس کے رسول کے لئے چھوڑے گا اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی اور جو کوئی دنیا کمانے کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے دیس چھوڑے گا تو اس کی ہجرت انہی کاموں کے لئے ہوگی۔

Marfat.com

توضیح: اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نے ہجرت کی اور مدینہ منورہ پہنچتے ہی ام قیس نامی خاتون سے شادی کرلی جس سے بظاہر یوں محسوس ہوا کہ عمل ہجرت سے مقصود نکاح بھی تھا، چونکہ یہ عمل ان کے شایان شان نہیں تھا اس لئے آپ نے تنبیہ فرمائی(۲۱۴)

حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اعمال کا ثمر آور ہونا یا نہ ہونا اور ان سے اچھے یا برے نتائج کا برآمد ہونا، نیت و ارادہ ہی پر موقوف ہے، بسااوقات اچھا عمل برے ارادہ کی وجہ سے برا ہوجاتا ہے جیسے منافقین نے مسجد بنانے کا بظاہر نیک عمل تو کیا لیکن مقصد چونکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، ان میں تفرقہ ڈالنا اور کفر کی طاقتوں کا مرکز بنانا تھا، اس لئے مسجد بنانے کا عمل ہی برا ٹھہرا چنانچہ مذکورہ مسجد "مسجد ضرار" کہلائی، اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اپنی نیت کا جائزہ لیتا رہے، امام غزالی نے نیت سے متعلق ایک مثال دی ہے کہ ایک شخص کھڑا ہے، اسے کسی نے زور سے دھکا دیا اور وہ اوندھا منہ جا پڑا اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ قصدا سجدہ کرے۔ اس مثال سے اختیاری اور اضطراری عمل کا فرق واضح ہوجاتا ہے مگر اس اختیار و ارادہ کو نیت اس وقت کہیں گے جب یہ سوچ کر سجدہ میں جائے کہ اللہ کی رضا کے لئے سجدہ کر رہا ہوں تو دل میں پیدا ہونے والا یہ داعیہ ہی نیت ہے(۲۱۵)

حدیث کا پہلا جملہ تمہید ہے اور مقصود دوسرا جملہ ہے کہ ہر شخص کو وہی چیز دی جائے گی جو اس کی نیت میں ہے(۲۱۶) بعد ازیں اس کی تشریح ہے کہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے تو اس کی قبولیت میں کچھ شک نہیں اور جس نے دنیا کمانے یا کسی خاتون سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کام کے لئے متصور ہوگی، حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ اس نیت سے ہجرت کرنے والے کو گناہ ہوگا کیونکہ نکاح کوئی ناجائز فعل نہیں ہے۔

حدثنا حجاج بن منهال قال حدثنا شعبة قال: اخبرنی عدی بن اثبت قال سمعت عبدالله بن یزید عن ابی مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال (اذا انفق الرجل علی اهله یحتسبها

فهو له صدقة)

ترجمہ: ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے (اللہ کا حکم سمجھ کر) خرچ کرے تو صدقے کا ثواب پائے گا۔

حدثنا الحكم بن نافع قال: اخبرنا شعيب عن الزهرى قال: حدثنى عامر بن سعد عن سعد بن أبى وقاص انه اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (انک لن تنفق نفقة تبتغى بها وجه الله الا اجرت عليها حتى ماتجعل فى فى امرأتک)

ترجمہ: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو جو کچھ خرچ کرے اور اس سے تیری نیت اللہ کی رضامندی کی ہو تو تجھ کو اس کا ثواب ملے گا یہاں تک کہ اس پر بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان معمول کے مطابق انجام دیئے جانے والے معاشرتی اعمال اور ازدواجی تقاضے میں اگر اس امر کا بھی قصد وارادہ کرلے کہ وہ اس طرح اللہ تعالی کے ایک حکم کو پورا کررہا ہے تو پھر ان اعمال کی انجام دہی سے بھی اجرو ثواب کا استحقاق ہوتا ہے، کیونکہ معاشرتی اعمال اور ازدواجی تقاضوں کو بھی بحسن وخوبی اور متوازن انداز سے انجام دینا بھی منشائے ایزدی ہے۔

حدیث سعد رضی اللہ عنہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعد بیمار ہوئے تو رسول اکرم ﷺ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنی بیماری کو مرض الموت تصور کرتے ہوئے آپ سے نصیحت کی درخواست کی تاکہ اسکی روشنی میں وہ وصیت کرسکیں اور وہ ان کے آخرت میں کام آئے اس وقت آپ نے فرمایا ابھی تم مروگے نہیں، ابھی بہت کماؤ گے اور خرچ کروگے تاہم اگر نیت اچھی ہو تو ہر خرچ پر اجرو ثواب ملے گا (۲۱۷)

Marfat.com

دین اور نصیحت

باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (الدین النصیحة للّٰہ و لرسولہ و لائمة المسلمین و عامتھم) و قولہ تعالی: اذا نصحوا للّٰہ و رسولہ. (۲۱۸)

(باب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ دین سچے دل سے اللہ کی فرمانبرداری اور اس کے پیغمبر، مسلمان قیادت اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے اور اللہ تعالی نے (سورۂ توبہ میں) فرمایا جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں۔)

مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا برتاؤ کرنا بھی دین کا حصہ ہے اس لئے اس کا بھی اہتمام ضروری ہے، حدیث میں دین کو نصیحتہ کہا گیا ہے جبکہ یہ واضح ہوچکا ہے کہ دین اور ایمان ہم معنی ہیں لہذا نصیحت اور ایمان میں تعلق ثابت ہوگیا، پھر چونکہ نصیحتہ میں کئی مراتب و درجات ہیں اس لئے ایمان میں بھی کئی ایک مراتب ہوئے اور یوں ایمان میں کمی و بیشی کا موقف ثابت ہوتا ہے۔

امام بخاری نے ترجمہ (عنوان) میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ اسے اپنی شرائط کے مطابق نہ ہونے کے سبب متن میں نہیں لائے، اس حدیث کو رسول اکرم ﷺ کے جوامع الکلم (کم الفاظ میں طویل مضمون کی عبارت) میں سے شمار کیا گیا ہے۔(۲۱۹)

نصیحتہ کے لغت میں دو معنی آتے ہیں، ایک آمیزش سے مبرا، صاف اور خالص اور دوسرا ٹوٹے ہوئے اجزاء کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ اور جمع کردینا(۲۲۰) اور عرف میں جس کو نصیحت کہا جاتا ہے اس میں بھی یہی دو چیزیں ہوتی ہیں، یعنی خلوص کے ساتھ شکستہ حالت کو سنوار دینا اور یہی خیر خواہی کہلاتی ہے اور دین اسی خیر خواہی کا نام ہے، اللہ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ انسان اسکو دل سے واحد

Marfat.com

لاشریک اور تمام صفات کمال سے موصوف مانے، اس کی عبادت اور اس کے تکوینی و تشریعی احکام میں کسی کو شریک نہ مانے، رسول کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی تصدیق و فرمانبرداری کرے اور جان و مال سے ان کی حمایت پر کمر بستہ رہے، آئمہ مسلمین دو قسم کے ہیں، آئمہ علم و ہدایت کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی ہدایت پر عملدر آمد کرے، اس کی اشاعت کرے اور ان کی عزت و توقیر کرے، آئمہ سیاست کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان امور میں ان کی اطاعت کرے جن میں اللہ تعالی کے احکام کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ انفرادی و اجتماعی سطح پر حسن سلوک، ہمدردیٔ، اخوت، مساوات اور عدل کا برتاؤ کیا جائے اور انہیں متوازن معاشرہ فراہم کیا جائے(۲۲۱)

حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى: عن اسماعيل قال: حدثنى قيس بن ابى حازم، عن جرير بن عبدالله قال: بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على اقام الصلاة، و ايتاء الزكاة و النصح لكل مسلم.

ترجمہ: جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے بیعت کی ان باتوں پر کہ نماز قائم کروں گا اور زکوۃ دیا کروں گا اور ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔

حدثنا ابوالنعمان قال: حدثنا ابوعوانة عن زياد بن علاقة قال: سمعت جرير بن عبدالله يقول: يوم مات المغيرة بن شعبة قال فحمدالله و اثنى عليه و قال: عليكم باتقاء الله وحده لاشريک له، و الوقار و السكينة حتى يأتيكم امير، فانما ياتيكم الان، ثم قال: استعفوا لاميركم فانه كان يحب العفو، ثم قال: اما بعد فانى أتيت النبىٔ صلى الله عليه وسلم قلت: ابايعک على الاسلام فشرط علىٔ: و النصح لكل مسلم، فبايعته على هذا، و رب هذا المسجد انى لناصح لكم، ثم

استغفر و نزل.

ترجمہ: زیاد بن علاقہ سے روایت ہے میں نے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا جس دن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (کوفہ کے حاکم) رحلت کرگئے تو وہ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف اور خوبی بیان کی اور کہا تم کو اکیلے اللہ کا ڈر رکھنا چاہیئے اس کا کوئی ساجھی نہیں اور تحمل اور اطمینان سے رہنا چاہیئے اس وقت تک کہ دوسرا کوئی حاکم تمہارے اوپر آئے وہ اب آنے والا ہے پھر یہ کہا کہ اپنے (مرحوم) حاکم کے لئے مغفرت کی دعا مانگو کیونکہ وہ بھی (یعنی مغیرہ) معافی کو پسند کرتے تھے (یعنی جابر حکمران نہیں تھے) پھر کہا اس کے بعد تم کو معلوم ہو کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں ان پر آپ ﷺ نے مجھ پر ہر ایک مسلمان کی خیر خواہی کی شرط رکھی میں نے اسی شرط پر آپ سے بیعت کرلی اس مسجد کے مالک کی قسم میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا اور (منبر پر سے) اتر گئے۔

توضیح: خلیفہ عادل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر مقرر کئے گئے تھے، جب ۵۰ھ میں حضرت مغیرہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور نصیحت کی، چنانچہ حضرت مغیرہ کے انتقال کے بعد حضرت جریر (انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی رحلت سے چھ ماہ قبل اسلام قبول کیا تھا، آپ انہیں دیکھ کر تبسم فرماتے تھے، خوبصورت ہونے کی وجہ سے اس امت کے یوسف کہلاتے تھے) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں کو نصیحت کی اور حادثہ ارتحال کو صبر و سکون سے برداشت کرنے کی تلقین کی نیز فرمایا کہ نئے گورنر کی آمد تک کسی انتشار اور خلفشار کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیئے، بعد ازیں حضرت مغیرہ کے لئے دعائے مغفرت کرائی اور بتایا کہ وہ بڑے عفو پسند تھے یعنی روایتی انداز کے سخت گیر حاکم نہیں تھے، پھر اس غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ شاید اپنے لئے راہ ہموار کر رہے ہوں اور کہا چونکہ میں نے عوام الناس کی خیر خواہی پر

رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی تھی اس لئے فرض سمجھتا ہوں کہ اس حادثہ کے موقع پر تمہاری خیر خواہی میں کچھ کلمات ادا کروں، آخر میں خود احتسابی کے جذبے کے تحت استغفار کے کلمات ادا کئے کہ بلند مقام (منبر) پر بیٹھنے سے نفس میں کبر کا اندیشہ تھا اور یوں اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو کر نیچے اتر آئے۔

اسی کے ساتھ ہم بھی کتاب الایمان کے صحیح بخاری کے حوالہ سے مطالعہ سے فارغ ہوئے، اللہ تعالی ہمیں شعور و اخلاص کے ساتھ عمل خیر کی توفیق دے، آمین۔

حوالہ جات

۱) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۲۴ باب الالف
۲) تفتازانی: شرح عقائد نسفی ص ۹۰، عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۰
۳) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۱، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۴۹
۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۶۹
۵) بخاری: الجامع الصحیح ج ۱ ص ۲۱
۶) کشمیری: فیض الباری ج ص ۷۰
۷) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۱ تا ۱۲۸، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۲۴۵ تا ۲۴۷
۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۲۵۸
۹) امینی: لاہوتی دور کا تاریخی پس منظر (ابتدائی صفحات)
۱۰) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۷۸
۱۱) القرآن، الفتح: ۴
۱۲) القرآن، الکہف: ۱۴
۱۳) القرآن، مریم: ۷۶
۱۴) القرآن، محمد: ۱۴
۱۵) القرآن، المدثر: ۱۵

Marfat.com

۱۶) القرآن، التوبہ: ۱۲۴

۱۷) القرآن، آل عمران: ۱۷۳

۱۸) القرآن، الاحزاب: ۲۲

۱۹) ابوداؤد: سنن ج ۲ ص ۲۸۷

۲۰) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۴

۲۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۵

۲۲) القرآن، البقرہ: ۲۶۰

۲۳) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۵

۲۴) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۳۶

۲۵) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۵

۲۶) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۶

۲۷) القرآن، الشوری: ۱۳

۲۸) القرآن، المائدۃ: ۴۸

۲۹) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۶

۳۰) القرآن، الفرقان: ۷۷

۳۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۶

۳۲) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۲۹۶

۳۳) القرآن، التوبہ: ۳۱

۳۴) سندھی: شعور و آگہی ص ۲۴

۳۵) محمد طیب: فلسفہ نماز ۳۸-۴۴

۳۶) القرآن، البقرۃ: ۱۹۷

۳۷) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۲۲

۳۸) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۸

۳۹) جیلانی: غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۵۲۹

۴۰) دہلوی: ہمعات ص ۶۶

۴۱) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۱۴۰

۴۲) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۰۵

۴۳) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۱۹
۴۴) ابن حجر: فتح الباری ج ۱، ص ۵۰، شرح نخبۃ الفکر ص ۹۷، سیوطی: تدریب الراوی ص ۴۲۶
۴۵) عثمانی: درس بخاری ص ۱۵۱
۴۶) عثمانی: فضل الباری خ ۱ ص ۳۲۴
۴۷) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۷۹
۴۸) ٹونکی: درس صحیح ص ۲۵
۴۹) القرآن، الممتحنہ: ۸-۹
۵۰) ٹونکی: درس صحیح ص ۲۵
۵۱) ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۵۲، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۳۶
۵۲) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۴۸
۵۳) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۲۹
۵۴) سندھی: قرآنی دستور انقلاب ص ۲۵-۲۶
۵۵) عثمانی: درس بخاری ص ۱۶۴-۱۶۵
۵۶) القرآن، التطفیف: ۱ تا ۳
۵۷) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۳
۵۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۳۷، ۳۳۸
۵۹) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۸۴
۶۰) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۸۴
۶۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۵۸
۶۲) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۶۰
۶۳) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۶۰، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۸۵
۶۴) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۵۲
۶۵) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۸۳
۶۶) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۶۳
۶۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۶۲
۶۸) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۹۳

Marfat.com

۶۹) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۶۵

۷۰) عثمانی: درس بخاری ص ۱۸۱

۷۱) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۱، غزالی: احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۸۲

۷۲) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۹۷

۷۳) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۵۷۷-۵۷۸

۷۴) دہلوی: حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۵

۷۵) سندھی: شعور و آگہی ص ۳۸

۷۶) جلبانی: شاہ ولی اللہ کی تعلیم ص ۲۰۰

۷۷) ابن ماجہ: سنن ص ۳۰۸

۷۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۱۹

۷۹) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۱۴۰

۸۰) سیوہاروی: اخلاق اور فلسفہ اخلاق ص ۵۰۷

۸۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۷۲

۸۲) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۰۶

۸۳) عثمانی: موضح الفرقان ص ۶۴۱

۸۴) عثمانی: درس بخاری ص ۲۰۹

۸۵) القرآن، الحجرات: ۱۴

۸۶) القرآن، آل عمران: ۱۹

۸۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۹۹

۸۸) دہلوی: حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۶

۸۹) عثمانی: درس بخاری ص ۲۱۳

۹۰) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۷۵، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۱۲

۹۱) القرآن، النساء: ۸۶

۹۲) محمد حبیب اللہ: اسلامی آداب معاشرت ج ۱ ص ۶۶-۶۷

۹۳) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۴۴۷

۹۴) ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۶۱

۹۵) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۱۷۵

Marfat.com

۹۶) بخاری: الجامع الصحیح ج ۱ ص ۴۴

۹۷) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۱۸

۹۸) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۲۸۲

۹۹) سندھی: شعور و آگہی ص ۲۴

۱۰۰) القرآن، النساء: ۴۸،

۱۰۱) القرآن، الحجرات: ۹

۱۰۲) عثمانی: درس بخاری ص ۲۲۱

۱۰۳) ابن خلدون: مقدمہ ص ۱۴۴

۱۰۴) سندھی: شعور و آگہی ص ۱۰۴ تا ۱۰۶

۱۰۵) ابوداود: سنن ج ۲ ص ۳۴۵

۱۰۶) مفتی محمد شفیع: معارف القرآن ج ۸ ص ۲۴ تا ۲۷

۱۰۷) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۳۱۸

۱۰۸) دہلوی: الفوز الکبیر ص ۲۲

۱۰۹) راغب: المفردات فی غریب القرآن ۴۶۳

۱۱۰) راغب: المفردات فی غریب القرآن ۵۲۲

۱۱۱) عثمانی: درس بخاری ص ۲۳۳

۱۱۲) غزالی: احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۶۷

۱۱۳) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۴

۱۱۴) دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۶۲

۱۱۵) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۵

۱۱۶) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۴۰۴، عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۲

۱۱۷) ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۲۵

۱۱۸) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۶۲

۱۱۹) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۸۵

۱۲۰) مجلہ حزم ص ۹

۱۲۱) القرآن، النساء: ۷۷

۱۲۲) اقبال: تاریخ تصوف ص ۳۰

۱۲۳) محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳

۱۲۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۷

۱۲۵) ابوداود: سنن ج ۱ ص ۳۳۸

۱۲۶) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۹

۱۲۷) ابوداود: سنن ج ۱ ص ۳۳۸

۱۲۸) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۰

۱۲۹) القرآن، التوبہ: ۷۳

۱۳۰) القرآن، البقرۃ: ۲۵۶

۱۳۱) محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۲۱

۱۳۲) القرآن، البقرۃ: ۲۵۱

۱۳۳) القرآن، التوبہ: ۳۹

۱۳۴) دہلوی: الخیر الکثیر ص ۱۸۱

۱۳۵) محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۲۲

۱۳۶) ابن عابدین: رد المختار ج ۴ ص ۱۲۱

۱۳۷) عبداللہ ناصح: مسلمان نوجوان ص ۸۳

۱۳۸) سندھی: خطبات و مقالات ص ۱۴۲

۱۳۹) سندھی: خطبات و مقالات ص ۱۴۳

۱۴۰) پروین روزینہ: خطبات جمعیۃ علماء ہند ج ۱ ص ۱۷

۱۴۱) دہلوی: البدر والبازغہ ص ۸۰

۱۴۲) ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۱۹

۱۴۳) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۱۹۲

۱۴۴) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۱۸۸

۱۴۵) انوار الحسن: روح رمضان ص ۲۵۹-۲۶۰

۱۴۶۰) ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۱۹

۱۴۷) سندھی: قرآنی جنگ انقلاب ص ۵۵، عثمانی: موضح الفرقان ص ۱۴۰ (بذیل آیت ۸ سورۂ مائدہ)

۱۴۸) القرآن، النحل: ۹۰

Marfat.com

۱۴۹) محمد زکریا: فضائل رمضان ص ۳-۴ بحوالہ صحیح ابن خزیمہ
۱۵۰) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص
۱۵۱) القرآن، البقرۃ: ۱۴۳
۱۵۲) سندھی: قرآنی دستور انقلاب ص ۱۵۸
۱۵۳) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۶۷
۱۵۴) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۸۹
۱۵۵) القرآن، البقرۃ: ۱۴۴
۱۵۶) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۸۸
۱۵۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۷۷ تا ۴۷۹ و ایضاً درس بخاری ص ۲۵۱
۱۵۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۸۲-۴۸۳
۱۵۹) القرآن، الانفال: ۳۸
۱۶۰) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۷۵
۱۶۱) نووی: شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶، ۷۷، عثمانی: درس بخاری ص ۲۵۶، ۲۵۷
۱۶۲) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۴۸۹
۱۶۳) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۹، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۳۷
۱۶۴) محمد شفیع: معارف القرآن ج ۳ ص ۳۶
۱۶۵) وہ روایت جو کسی متفرد راوی (صحابی کے علاوہ) کی حدیث کے موافق ہو، ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۴۴، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۵۴
۱۶۶) وہ راوی جو اپنے شیخ کا ذکر نہ کرے اور ایسے شخص سے روایت کا تاثر دے جس سے اس نے وہ روایت نہ سنی ہو، ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۵۶، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۳۹
۱۶۷) وہ سند جس میں راوی "عن" سے روایت کر رہے ہوں، ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰۵، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۳۲
۱۶۸) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۹۷
۱۶۹) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۰۰
۱۷۰) القرآن، البینہ: ۵، ۶
۱۷۱) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۹۹
۱۷۲) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۰
۱۷۳) سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام ص ۵۹

Marfat.com

۱۷۴) القرآن، التوبہ: ۳۴-۳۵

۱۷۵) قاسمی: سماجی انصاف اور اجتماعیت ص ۳۰-۳۱

۱۷۶) القرآن، البقرۃ: ۱۷۷

۱۷۷) ترمذی: الجامع ج ۱ ص ۱۲۳

۱۷۸) القرآن، الحجرات: ۲

۱۷۹) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۱۱

۱۸۰) القرآن، الصف: ۳

۱۸۱) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۱۵

۱۸۲) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲

۱۸۳) القرآن، آل عمران: ۱۳۵

۱۸۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۴۵، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۲۱

۱۸۵) القرآن، آل عمران: ۸۵

۱۸۶) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۷

۱۸۷) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۲۷

۱۸۸) القرآن، الاعراف: ۵۴

۱۸۹) القرآن، التحریم: ۶

۱۹۰) سندھی: شعور و آگہی ص ۷۰

۱۹۱) محمد طیب: طریقت، شریعت اور سیاست ص ۸ اور ۱۰

۱۹۲) ٹونکی: درس صحیح ص ۴۵

۱۹۳) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۳۷۳

۱۹۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۱، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۴۱

۱۹۵) عثمانی: درس بخاری ص ۲۹۱-۲۹۲

۱۹۶) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۱

۱۹۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۴۳

۱۹۸) بخاری: الصحیح ج ۱ ص ۴

۱۹۹) غزالی: احیاء علوم الدین ج ۲ ط ۱۲۴

۲۰۰) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۴۵

۲۰۱) سندھی: قرآنی اقدام انقلاب ص ۱۶-۲۲

Marfat.com

۲۰۲) بخاری: الجامع الصحیح ج ۱ ص ۱۹، مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۴

۲۰۳) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۰

۲۰۴) موصلی: الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۵۸

۲۰۵) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۴

۲۰۶) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۵۰

۲۰۷) حدیث نبوی کے مطابق ان میں دو خوبیاں ایسی تھیں جو اللہ کو محبوب ہیں، حلم (بردباری) اور وقار (خودداری)، مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۵

۲۰۸) عثمانی: فتح الملہم ج ۱ ص ۴۷، فضل الباری ج ۱ ص ۵۵۱

۲۰۹) ابن جوزی: کتاب الاذکیاء ص ۳۱

۲۱۰) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۳، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۵۴

۲۱۱) مسلم: الصحیح ج ۲ ص ۱۶۷، ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۷

۲۱۲) شیخ الہند: ایضاح الادلہ ص ۱۲۰، ۱۲۱

۲۱۳) القرآن، بنی اسرائیل: ۸۴

۲۱۴) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۱۳۹

۲۱۵) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۱۴۵

۲۱۶) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۱

۲۱۷) عثمانی: درس بخاری ص ۳۰۷

۲۱۸) القرآن، التوبہ: ۹۱

۲۱۹) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۵۴، ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۷

۲۲۰) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۵۱۴

۲۲۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۸

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ اقبال، محمد ڈاکٹر (۱۹۳۸ء) تاریخ تصوف (ترتیب پروفیسر محمد صابر کلوروی)
لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت ۱۹۸۵ء طبع اول

۳۔ امینی، محمد تقی مولانا (۱۹۹۱ء) لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر
دہلی: ندوۃ المصنفین ۱۹۶۵ء طبع اول

۴۔ انوار الحسن انوار، پروفیسر، روح رمضان لاہور: نذر سنز ۱۹۶۲ء

۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، امام (۲۵۶ھ) الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ
کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۹۶۱ء طبع دوم

۶۔ پروین روزینہ، جمعیت علماء ہند (دستاویزات)
اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت ۱۹۸۰ء طبع اول

Marfat.com

۷۔الترمذی، محمد بن عیسی بن سورہ، ابو عیسی الامام (۲۷۹ھ)
الجامع، کراچی: قرآن محل
۸۔ تفتازانی، سعدالدین (۷۹۲ھ) شرح عقائد نسفی،
فرنگی محل: مطبع یوسفی ۱۳۲۲ھ طبع سوم
۱۰۔ جلبانی، غلام حسین، پروفیسر، شاہ ولی اللہ کی تعلیم
حیدر آباد: شاہ والی اللہ اکیڈمی ۱۹۷۵ء
۱۱۔ ابن الجوزی، عبدالرحمن بن علی (۵۹۷ھ) کتاب الاذکیاء
(اردو ترجمہ: مولانا اشتیاق احمد نقشبندی)
لاہور: رائٹرز بک کلب خاتون سیریز ۱۴
۱۲۔ جیلانی، عبدالقادر، محی الدین، ابو محمد الشیخ (۵۶۱ھ)
غنیتہ الطالبین مع فتوح الغیب (مترجم)
کراچی: مکتبہ سعودیہ
۱۳۔ ابن حبّان، محمد بن احمد، التمیمی، ابو حاتم (۳۵۴ھ)
المسند الصحیح علی التقاسیم والانواع
(ترتیب: الامیر علاؤالدین الفارسی (۷۳۹ھ) تحقیق: احمد محمد شاکر)
مصر: دارالمعارف ۱۳۷۲ھ
۱۴۔ ابن حجر، احمد بن علی بن محمد بن محمد، ابوالفضل، شہاب الدین، العسقلانی (۸۵۲ھ) فتح الباری
بشرح صحیح البخاری، بولاق، مصر المحمیتہ: المطبعتہ الکبری الامیریہ، ۱۳۰۰ھ طبع اول
۱۵۔ ابن حجر، احمد بن علی محمد بن محمد، ابوالفضل، شہاب الدین، العسقلانی (۸۵۲ھ) نزہتہ النظر فی
توضیح نخبتہ الفکر

کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب

۱۶۔ الخطیب محمد بن عبداللہ، ابو عبداللہ ولی الدین، مشکاۃ المصابیح

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی ۱۳۹۴ھ

۱۷۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، المغربی (۸۰۸ھ) کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر و من عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر المعروف بالمقدمہ، مصر: المطبعۃ البہیۃ

۱۸۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی (۲۷۵ھ) السنن

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی ۱۴۰۲ھ

۱۹۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) البازغۃ البدریۃ

حیدر آباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی

۲۰۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) حجۃ اللہ البالغہ

قاہرہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۵۲ھ

۲۱۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) الخیر الکثیر

(املاء: مولانا عبید اللہ سندھی، تحقیق و ترجمہ: مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی)

حیدر آباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی ۱۹۷۷ء طبع اول

۲۲۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

(عربی ترجمہ: علامہ محمد منیر الدمشقی الازہری)

کراچی: میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب

۲۳۔ دہلوی شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) ہمعات

(اردو ترجمہ: عبداللہ کرنالوی)

کراچی: خانقاہ قادریہ مجددیہ ۱۹۶۳ء طبع سوم

Marfat.com

۲۴۔ الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل (۵۰۲ھ)
المفردات فی غریب القرآن
کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۹۶۱ء

۲۵۔ سندھی عبیداللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) خطبات و مقالات
(ترتیب: پروفیسر محمد سرور)
لاہور سندھ ساگر اکیڈمی ۱۹۸۱ء اشاعت دوم

۲۶۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) شعور و آگہی
(ترتیب: سید مطلوب علی زیدی)
لاہور: عزیز پبلی کیشنز ۱۹۸۴ء طبع اول

۲۷۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی اقدام انقلاب
(ترتیب: غازی خدا بخش و شیخ بشیر احمد)
لاہور: شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

۲۸۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی جنگ انقلاب
(ترتیب: شیخ بشیر احمد لدھیانوی)
گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ

۲۹۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی دستور انقلاب
(ترتیب: شیخ بشیر احمد لدھیانوی)
لاہور: ادارہ نشریات اسلام

۳۰۔ السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین (۹۱۱ھ)
تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی

Marfat.com

المدینہ المنورۃ: المکتبۃ العلمیہ ۱۹۵۹ء طبع اول

۳۱۔ سیوہاروی، محمد حفیظ الرحمن، مولانا (۱۹۵۸ء) اخلاق و فلسفہ اخلاق

لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۱۹۷۶ء

۳۲۔ سیوہاروی، محمد حفظ الرحمن، مولانا (۱۹۵۸ء) اسلام کا اقتصادی نظام

دہلی: ندوۃ المصنفین ۱۹۴۲ء طبع دوم

۳۳۔ صدیقی، حیدر زمان، اسلام کا نظریہ جہاد

لاہور: یونیورسل بکس ۱۹۸۶ء

۳۴۔ ابن عابدین، محمد امین، الشامی (۱۲۵۲ء)

حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی

۳۵۔ عبداللہ ناصح علوان، مسلمان نوجوان، فرائض اور ذمہ داریاں

(ترجمہ: ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار)

کراچی: دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ ۱۴۱۰ھ)

۳۶۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ (۱۹۴۹ء) درس بخاری

(ضبط و تحریر: مولانا عبدالوحید صدیقی) ڈابھیل، گجرات (بھارت)

جامعہ اسلامیہ، ۱۴۰۰ھ

۳۷۔ العثمانی، شبیر احمد، العلامہ (۱۹۴۹ء) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم

کراچی: مکتبۃ الحجاز، طبع اول

۳۸۔ عثمانی، شبیر احمد علامہ (۱۹۴۹ء) فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری

(ترتیب و مراجعت: قاضی عبدالرحمن)

Marfat.com

کراچی: ادارہ علوم شرعیہ ،۱۹۷۳ء طبع اول

۳۹۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ (۱۹۴۹ء) موضح الفرقان المعروف تفسیر عثمانی

کراچی: دارا لتصنیف لمیٹڈ ۱۹۷۵ء

۴۰۔ العینی، بدر الدین، العلامہ، عمدۃ القاری بشرح صحیح البخاری،

قاہرہ: دارا لطباعۃ العامرۃ ۱۳۰۸ھ

۴۱۔ الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، الامام (۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین

قاہرہ: مؤسسۃ الحلبی و شرکاہٗ للنشر والتوزیع ۱۹۶۷ء

۴۲۔ قاسمی، غلام مصطفیٰ، علامہ، سماجی انصاف اور اجتماعیت

حیدر آباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی ۱۹۷۳ء

۴۳۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، عماد الدین، ابو الفداء، القرشی الدمشقی (۷۷۴ھ)

تفسیر القرآن العظیم، مصر مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۹۳۷ء

۴۴۔ الکشمیری، محمد انور شاہ، العلامہ (۱۳۵۲ھ) فیض الباری علی صحیح البخاری

(ضبط و تحریر: مولانا بدر عالم میرٹھی)

قاہرہ: مطبع حجازی ۱۹۳۸ء طبع اول

۴۵۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبداللہ (۲۷۳ھ) السنن،

کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۳۸۱ھ

۴۶۔ مجلہ عزم، لاہور: عزیز پبلی کیشنز، مئی ۱۹۸۱ء

۴۷۔ محمد حبیب اللہ مختار، ڈاکٹر، مولانا، اسلامی آداب و معاشرت،

کراچی: دارا لتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ ۱۴۱۰ھ

۴۸۔ محمد زکریا، مولانا شیخ الحدیث، فضائل رمضان،

Marfat.com

کراچی: محمد یحیی مدنی مدرسہ عربیہ اسلامیہ

۴۹۔ محمد شفیع، مولانا، مفتی اعظم (۱۹۷۶ء) معارف القرآن،

کراچی: ادارۃ المعارف ۱۹۸۰ء

۵۰۔ محمد طیب، مولانا قاری، طریقت، شریعت اور سیاست، گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ

۵۲۔ محمد طیب، مولانا، قاری، فلسفہ نماز، لاہور: ادارہ اسلامیات ۱۹۷۵ء

۵۳۔ محمد میاں، مولانا سید، علماء ہند کا شاندار ماضی، لاہور مکتبہ محمودیہ ۱۹۷۷ء

۵۴۔ محمود حسن، شیخ الہند، مولانا (۱۹۱۹ء) ایضاح الادلہ

(تصحیح و اضافہ مولانا سید فخر الدین احمد مرحوم)

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی ۱۹۸۶ء

۵۵۔ مسلم بن حجاج، ابو الحسین، القشیری، الامام (۲۶۱ھ) الصحیح،

کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۳۷۵ھ

۵۶۔ الموصلی، عبداللہ بن محمود بن مودود (۶۸۳ھ) الاختیار لتعلیل المختار

بیروت: دار المعرفہ للطباعۃ و النشر ۱۹۷۵ء طبع سوم

۵۷۔ النووی، یحیی بن شرف، محی الدین، ابو زکریا (۶۷۶ھ)

شرح صحیح مسلم، مطبوعہ مع صحیح مسلم

Marfat.com

ایمان کی چھاؤں میں

صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ

تالیف

سعید الرحمٰن

استاد ادارہ علوم اسلامیہ و عربی

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

بیکن بکس ○ گلگشت ملتان

Marfat.com